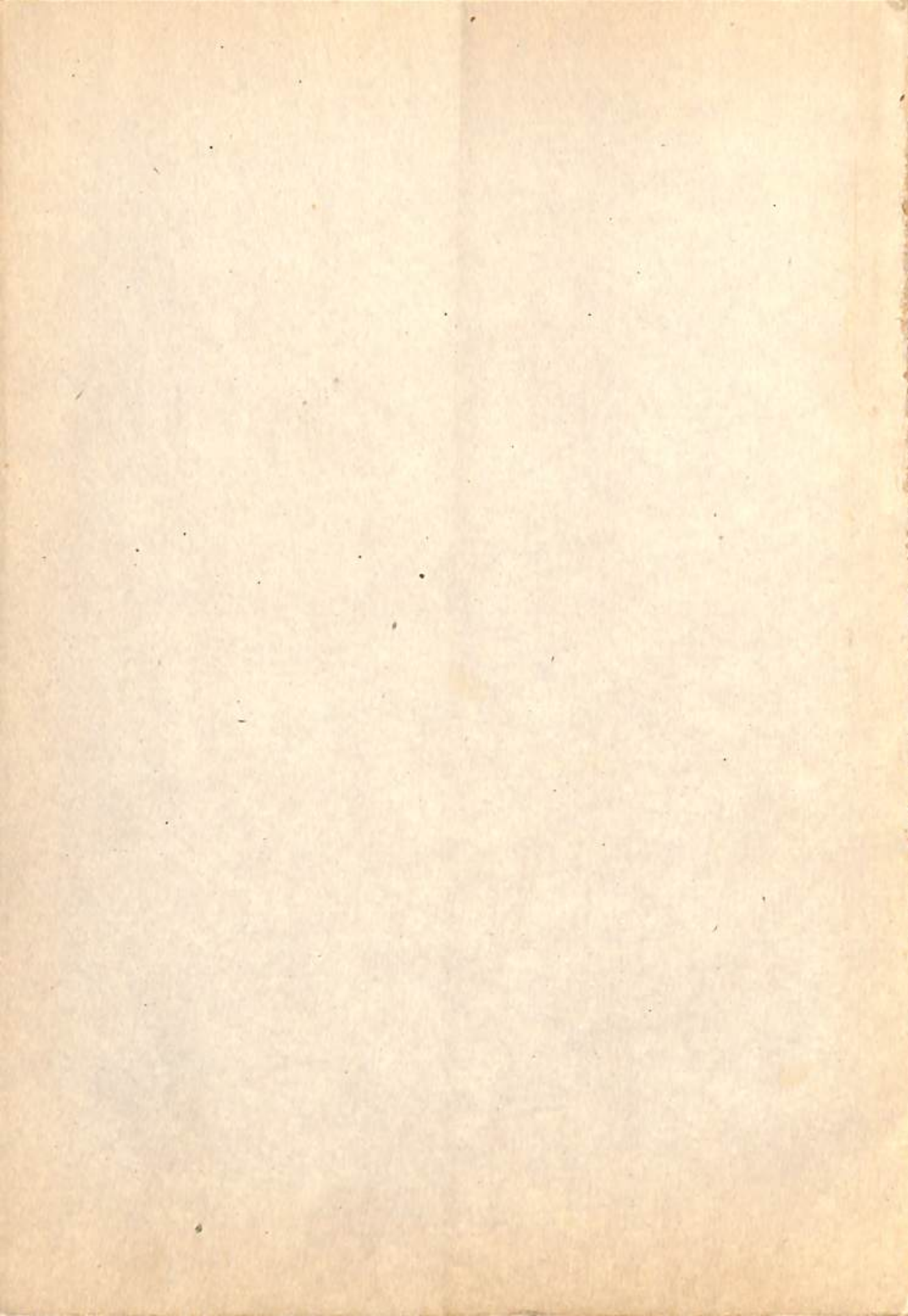
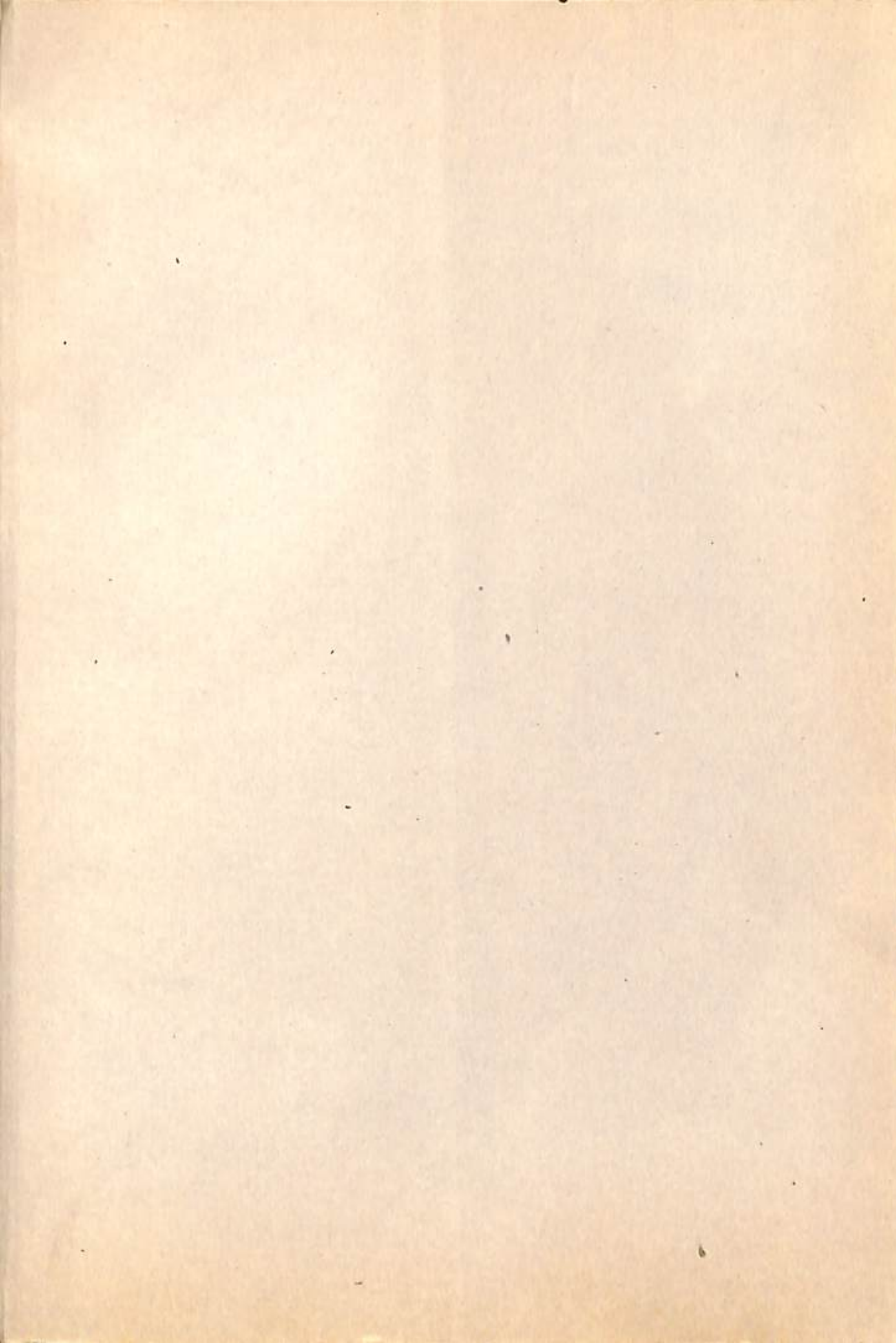


سوامی وویکانند



شائع کردہ
سوامی رنگاناتھانند
رامکرشن مشن
نئی دہلی





سوامی وویکانند

سوامی جی کے جیون کی مختصر کہانی



سری رامکرشن مشن - نئی دہلی

بار اوّل چار ہزار

قیمت ایک روپیہ



پیش لفظ

سوامی وویکانند کے جیون کی یہ مختصر کہانی اسی عنوان کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے، جسے ادوائیتہ آشرم مایاوتی (ہمالیہ)[1] نے شائع کیا ہے۔ ہمارے دیش میں بھگوان کے بہت سے بھگت ایسے بھی ہیں جو انگریزی نہیں جانتے اور جن سے سوامی جی کا تعارف کرانے اور جن تک بھگوان سری رامکرشن کے پیغام کو پہنچانے کا واحد وسیلہ اُردو زبان ہے۔ یہ چھوٹی سی کتاب خصوصاً اِنھیں بھائیوں کے لیئے تیار کی گئی ہے۔ دُعا ہے کہ یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو، پڑھنے والوں کے دل میں سوامی جی اور بھگوان سری رامکرشن کے متعلق اور معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا کرے۔ اور انھیں اپنے آپ کو سمجھنے، اپنی بے پناہ روحانی طاقت کا اندازہ لگانے اور اپنے سروشکیتمان بھگوان کو اپنانے میں مددگار ہو۔

مترجم و معاون

---

[1] ADVAITA ASHRAM MAYAVATI HIMALYAS



Printed at Kapur Printing Press, Kashmere Gate, Delhi.

بچپن

جو عظیم الشان[1] ہستی آگے چل کر وویکانند کے نام سے مشہور ہوئی اور جس نے ہندوستانی تہذیب کی شان کو چار چاند لگا دیئے۔ اُس کا ظہور[2] کلکتہ کی ایک بستی "سملہ" میں ہوا، سوامی جی کلکتہ کے مشہور دت خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندانی نام نریندر ناتھ دت تھا اُن کے دادا دُرگا چرن دت ایک قابل اور صحیح[3] الفطرت انسان تھے، چھوٹے بڑے سب اُن کی عزت کرتے تھے۔ وہ سنسکرت اور فارسی کے عالم تھے۔ اور قانون میں خاص مہارت رکھتے تھے لیکن اُن کا مَن دُنیاوی باتوں میں کم لگتا تھا چنانچہ پچیس ہی برس کی عمر میں جب اُن کا لڑکا وشوانا تھ ایک سال کا بھی نہ ہونے پایا تھا، تارک[4] الدُّنیا ہو گئے

سوامی وویکانند کے والد بزرگوار وشوانا تھ دت نے بڑے ہو کر

---

[1] مہاپرش [2] پرکاش۔ جنم [3] صاف دل [4] سنیاس اختیار کر لیا۔

قانون کی تعلیم حاصل کی اور کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک نہایت کامیاب وکیل بنے۔ وشوانا تھ دل و دماغ کے بہت سے اوصاف[1] اعلیٰ کے مالک تھے، انگریزی اور فارسی دونوں زبانوں میں دسترس رکھتے تھے، انجیل مقدس کا مطالعہ شوق سے کرتے تھے اور حافظ کے کلام سے خاص طور پر لُطف[2] اندوز ہوتے تھے۔ طبیعت کے اتنے سخی تھے کہ جو کچھ کماتے خرچ کر ڈالتے، اُن کے دل میں انسانی ہمدردی کچھ ایسے کُوٹ کُوٹ کر بھری تھی کہ دُنیاوی سوچ و بچار سے کام لینا اُن کے بس کی بات نہیں تھی۔ دریا دلی سے خیرات کرتے تھے اور ہمیشہ کل کی فکر کل ہی پر اُٹھا رکھتے تھے۔

وشوانا تھ کو گانے کا بھی شوق تھا وہ موسیقی کو بے لاگ اور پاک مسرتوں کا منبع تصور کرتے تھے[3]۔ خود اُن کی اپنی آواز بہت میٹھی اور دلکش تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اُنھوں نے نریندر ناتھ کو موسیقی کی تعلیم خاص[4] اشتیاق سے دلوائی۔

سوامی وویکانند کی والدہ کا نام بھُونیشری دیوی تھا وہ اپنے پتی وشوانا تھ کی ہر پہلو سے ہمپایہ[5] تھیں، نہ فقط فہم[6] و ذہانت بلکہ شاہانہ طبیعت بھی ان کے حصے میں آئی تھی۔ جس کی وجہ سے سب اُن کی عزت و تعظیم کرتے تھے۔ اُن کی سنجیدگی[7] اور متانت مشہور تھی اور لوگ اُن سے اہم اُمور[8]

---

[1] بڑی بڑی خوبیوں [2] آنند پاتے تھے [3] پوتر اور پورن آنند کی گنگا سمجھتے تھے [4] شوق۔ چاہ۔ [5] برابر [6] سمجھ اور بُدھی [7] گنبھیرتا [8] ضروری باتوں

یں مشورہ لیتے تھے۔ غریب اور بے بس لوگوں پر اُن کی خاص عنایت[1] ہوتی تھی۔

اُنھیں ایشور پر پُورا پُورا اعتماد[2] تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی پُوشیدہ[3] طاقت اُن میں گھر کئے ہوئے ہے۔ اُن کے غیر معمولی حافظے کا یہ حال تھا کہ رامائن اور مہابھارت کے کتنے ہی طول[4] طویل حصے اُن کو زبانی یاد تھے۔

نریندر کا جنم ایسے ماتا پتا کے ہاں ۱۲ جنوری ۱۸۶۳ء سوموار کے دن ہوا۔

یوں تو ہر بچے کے دل و دماغ پر اس کی ماں کا اثر پڑتا ہے اور اس کی شخصیت کے ارتقا[5] میں ماں کے عطا کیئے ہوئے تاثرات کا اہم[6] حصّہ ہوتا ہے لیکن نریندر کی تعلیم و تربیت پر ماں کا اثر خاص طور پر پڑا خود نریندر نے بڑے ہو کر اس کا کئی بار اعتراف[7] کیا ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے ماں ہی سے بنگالی اور انگریزی زبانوں کی ابتدائی تعلیم پائی اور اُنھیں کے قدموں میں بیٹھ کر رامائن اور مہابھارت کی کہانیاں سُنیں۔

نریندر کو پیار سے سب "نرن" کے نام سے پُکارتے تھے، نرن کو بچپن ہی سے بھگوان رام سے خاص لگاؤ ہو گیا تھا۔ یہ لگن یہاں تک بڑھی کہ اس نے بھگوان رام کی ایک مُورتی خرید لی اور لگا پھُول چڑھا چڑھا کر اُس کی پُوجا

---

[1] دیا [2] بھروسہ [3] چھپی ہوئی [4] لمبے لمبے
[5] اُنّتی [6] ضروری [7] مانا ہے۔

کرتے، کبھی کبھی بھگوان شِو کی پُوجا ہوتی تھی لیکن رام سے نرن کو خاص ہی پیار تھا۔ رامائن اس کے لئے اتنی کشش رکھتی تھی کہ اڑوس پڑوس میں جہاں کہیں رامائن کی کتھا ہوتی نرن وہاں ضرور پہنچ جاتا۔ اور کبھی کبھی تو "رام چرتر" سُننے میں ایسا مگن ہو جاتا کہ اپنی سُدھ بُدھ ہی نہ رہتی اور گھر کا خیال تک بھی نہ آتا۔

نرن کبھی کبھی دھیان لگانے کا کھیل کھیلتا تھا۔ کئی بار لاشعوری[۱] طور پر یہ کھیل حقیقت کا رنگ اختیار کر لیتا، کھیل میں انہماک[۲] اِس قدر بڑھ جاتا کہ نرن اپنے ماحول سے بالکل[۳] بے خبر ہو جاتا ایسے میں اس کو ایک گہرے رُوحانی[۴] جذبے کا احساس ہو جاتا جس کو سمجھنے سے وہ خود قاصر تھا اِنہی دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک روز نرن اپنے مکان ہی میں ایکانت ہو کر دھیان لگانے جو بیٹھا تو اپنے آپ میں کچھ ایسا ڈوب گیا کہ اسے آس پاس کی کوئی خبر نہ رہی۔ آخر رشتہ داروں نے مجبوراً دروازہ توڑ ڈالا اور نرن کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر حالتِ[۵] شعوری میں لائے۔

نرن کو رِملے جوگیوں سے مِلنے کا بہت شوق تھا۔ جب بھی کوئی سادھو اس کے دروازے پر آتا تو نرن کو بہت خوشی ہوتی۔ اور وہ ضرور کچھ نہ کچھ اس کی بھینٹ کرتا۔

---

۱ بغیر جانے ہوئے ۲ دھیان، مگن ہو جانا ۳ اِدھر اُدھر سے بے سُدھ ہو جانا ۴ آتمک آنند ۵ ہوش

اِن باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بچّہ ایک زبردست رُوحانی طاقت لے کر آیا تھا۔ اپنے بچپن کے زمانے کا ذکر کرتے ہوئے سوامی جی نے بعد میں بتایا کہ اُن دنوں جب کبھی بھی میں سونے لگتا تھا تو آنکھیں بند ہوتے ہی ایک رنگین[1] اور روشن[2] شعلہ میری بھوؤں کے درمیان نمودار ہوتا اور پھر بڑھتے بڑھتے ایک منوّر بادل کی صورت اختیار کر لیتا اور بالآخر ٹوٹ کر میرے تمام جسم کو سفید روشنی کے ایک طوفان میں ڈبو ڈیتا جونہی یہ نورانی جلوہ میرے دماغ پر غالب ہوتا میرا جسم گہری نیند سو جاتا، یہ واقعہ کچھ اس طرح باقاعدگی سے پیش آتا تھا کہ میں سمجھتا تھا کہ سب لوگوں کو نیند اسی طرح آتی ہے اور ایسے جلوے قدرتی طور پر سب کو نصیب ہوتے ہیں۔

یہ واقعہ نرن کی رُوحانی طاقت کا انکشاف[3] کرتا ہے لیکن نرن خود اپنی طاقت سے ابھی آشنا[4] نہیں تھا۔ بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ ایک شرارتی اور چنچل لڑکا تھا جسے قابو میں رکھنے کے لئے بیک وقت دو دو آیا رکھنا پڑتی تھیں۔ اور پھر بھی وہ پُوری طرح قابو میں نہیں آتا تھا۔ اس کی ماں کہا کرتی تھی کہ "مَیں نے بھگوان شِو سے ایک سپوت مانگا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مجھے ایک بھُوت بھیج دیا ہے" نرن کو نقلیں اُتارنے اور دوسروں کو چڑانے میں خوب مزا آتا تھا۔ اپنی بہنوں کا تو اس نے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ وہ ان کو چھیڑ کر بھاگ کھڑا ہوتا اور جب وہ

---

[1] رنگا رنگ کی جوالا [2] روشن چمکتا ہوا [3] ظاہر کرتا ہے [4] واقف

اس کا تعاقب[1] کرتیں تو گندی نالی میں گھس کر اُن کو دانت دکھاتا۔ کیونکہ وہ بے چاری شریف زادیاں وہاں تک اس کا پیچھا کرنے سے عاجز تھیں۔

نرن کی چنچل طبیعت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے گھر میں بہت سے جانور پال رکھے تھے جن میں گائے کے علاوہ بندر، بکری، کبوتر، سفید چوہے اور سؤر بھی شامل تھے۔ طبیعت کے اس رُجحان[2] کی بدولت نرن نے اپنے کوچوان سے خاص دوستی بنا رکھی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ بڑا ہو کر ایک سائیس بننا چاہتا تھا بھلا جس کے سر پر ٹھاٹ کی پگڑی ہو اور ہاتھ میں چابک اور جس کے اشارے پر گھوڑے سرپٹ دوڑتے ہوں اس آدمی سے بڑھ کر شاندار کون ہو سکتا ہے!

جب نرن چھ برس کا ہوا تو اسے پرائمری سکول میں بھیج دیا لیکن چند ہی دنوں میں اپنے ساتھیوں سے وہ خرافات[3] سیکھنے لگا کہ والدین نے مجبوراً اُسے سکول سے ہٹا لیا اور ایک پرائیوٹ ٹیوٹر کا انتظام کر دیا اب نرن نے اپنی غیر معمولی ذہانت اور قابلیت کا ثبوت دینا شروع کیا۔ اُس کے ہم عمر لڑکے ابھی بمشکل حروف شناس[4] کر پائے تھے کہ نرن نے اچھی طرح لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ اس کی یادداشت کا یہ حال تھا کہ اپنے اُستاد سے کوئی چیز ایک بار سُننے پر اُسے پُوری طرح یاد ہو جاتی تھی۔ سات ہی برس کی عمر میں سنسکرت گرامر کی کتاب "مگدھ بودھ" زبانی یاد کر لی تھی، اور مہا بھارت اور رامائن

---

[1] پیچھا ـ [2] جھکاؤ ـ [3] گالیاں [4] ابجد سیکھ سکتے تھے

کے بہت سے منتخب قطعات بھی حفظ کر لیئے تھے۔

ایک سال کی پرائیویٹ تعلیم کے بعد نرن کو پنڈت ایشور چندر ودیا ساگر کے سکول میں داخل کرا دیا گیا یہاں بھی اُستادوں اور دوسرے لڑکوں پر اس کی ذہانت کا سکّہ جلد ہی بیٹھ گیا لیکن اسے کسی قسم کا گھمنڈ نہیں تھا۔ اِس لیئے وُہ سب میں ہر دلعزیز تھا اور اس کے ساتھی اُسے قدرتی لیڈر مانتے تھے! اس کا دل پسند کھیل "بادشاہ کا دربار" تھا وہ سکول کی سیڑھیوں پر اپنا دربار سجاتا سب سے اونچی سیڑھی پر اسی کا تخت ہوتا اس کے برابر بیٹھنے کی کسی کو مجال نہ تھی دائیں بائیں وزیرِاعظم، سپہ سالار، خراج گزار راجے مہاراجے اور سرکاری اعلیٰ افسر اپنے اپنے درجے پر براجمان ہوتے اور نرن دربار لگا کر شاہانہ شان وشوکت سے عدل گستری[1] کرتا۔ کیا مجال کہ کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

سکول میں بھی چنچلتا کا یہ حال تھا کہ نرن اپنے ڈیسک پر شاید ہی آرام سے بیٹھتا۔ آدھی چھٹی کی گھنٹی بجتے ہی وہ سب سے پہلے کلاس سے باہر نکل آتا اور جلدی سے کھانا کھا کر کھیل کود کے میدان میں پہنچ جاتا۔ کھیل نہایت مشغولیت اور زور شور سے کھیلتا۔ نئی نئی کھیلیں ایجاد کر کے اپنے ساتھیوں کی تفریح کا سامان مہیا کرتا۔ نئے کھیل کھیلنے کا یہ شوق کبھی کبھی کلاس روم ہی میں رنگ دکھانے لگتا۔ اور وہ سبق کے دوران میں

---

[1] انصاف کرتا

اپنے ساتھیوں سے کھیل کود کی باتیں کرنے لگتا یا اپنے کارناموں اور کرتبوں کے تذکرے شروع کر دیتا، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نرن نے کلاس میں کچھ لڑکوں کو باتوں میں لگا رکھا تھا ٹیچر نے دیکھا کہ وہ لڑکے سبق کی طرف کچھ دھیان نہیں دے رہے۔ اُنہوں نے اِن لڑکوں سے پوچھا کہ میں کیا پڑھا رہا ہوں۔ سب لڑکے ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے نرن جو بیک وقت دو چیزوں کی طرف متوجہ ہونے کی اہلیت رکھتا تھا خوش گپیاں ہانکنے کے ساتھ ساتھ سبق بھی سُن رہا تھا۔ اُس نے فوراً سارا سبق دوہرا دیا اور سارے سوالات کا تسلی بخش جواب دیا۔ ماسٹر جی دَنگ رہ گئے۔ پُوچھنے لگے آخر باتیں کون کر رہا تھا؟ سب نے نرن کی طرف اشارہ کیا لیکن نرن کو بھلا کیونکر کچھ کہا جا سکتا تھا یہ امر حقیقی[۱] ہے کہ اُستاد کے لیے اکثر ایسے ذہین اور فہیم لڑکوں کو قابو میں رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

نرن کی ذہانت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ جب تک اس کا اپنا ضمیر کسی چیز کو قبول[۲] نہ کر لیتا وہ کسی بھی بات پر یقین نہ کرتا۔ بچپن میں بھی کہی سُنی باتوں کو بِنا جانچے کبھی نہ مانتا۔ خوف[۳] وہراس اس کے پاس پھٹک نہ پاتے اور توہمات سے تو اُسے دُور کا بھی لگاؤ نہ تھا۔ اِسی عہد[۴] طفلی کی بات ہے کہ وہ اپنے ایک دوست کے گھر کھیلنے کو جایا کرتا تھا وہاں ایک بڑا بھاری درخت تھا نرن اس درخت پر چڑھ جاتا اور اس کی ایک شاخ سے اُلٹا

---

[۱] سچ [۲] مان نہ لیتا [۳] ڈر اور بھئے [۴] بچپن۔

لٹک کر جھُومنے لگتا، پھر چھلانگ لگا کر قلا بازی لگاتے ہوئے زمین پر اُتر آتا۔ اس کے دوست کے بوُڑھے دادا کو یہ خطرناک کھیل قطعی پسند نہ تھا۔ اُنھوں نے نرن کو اس سے روکنے کے لیۓ کہا کہ دیکھو بٹیا اِس درخت پر ایک بھُوت رہتا ہے، جو اس درخت پر چڑھے گا وہ بھُوت اُس کی گردن مروڑ دے گا، نرن نے بوُڑھے دادا کی بات کو بہت ادب سے دھیان دے کر سُنا لیکن جوںہی وہ نظر سے اوجھل ہوئے جھٹ درخت پر چڑھ کر پھلانگنے لگا۔ اس کے دوست نے ڈرتے ڈرتے دادا کی بات یاد دلائی اور نرن کو روکنے کی کوشِش کی، نرن نے اُس کی سنجیدگی پر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "بھئی تم بھی نِرے گدھے ہو اگر دادا کے بھُوت کی کوئی حقیقت ہوتی تو میری گردن کبھی کی مروڑ دی گئی ہوتی"۔

نرن کی غیر معمولی جسمانی اور ذہنی قوت اپنے اظہار کے لیۓ نئے نئے طریقے نکالتی رہتی۔ اُسے کسی بات کو بار بار کرنے سے بہت چِڑ تھی جس چیز سے دل اُکتا جاتا اس کو جھٹ ترک کر دیتا اور نیا شغل اختیار کر لیتا کبھی اپنی عمر کے لڑکوں کو اکٹھا کر کے تھیٹر قائم کر لیتا اور پوُجا کے کمرے میں ڈرامے ہونے لگتے، کبھی گھر کے صحن میں ایک اکھاڑا بنا لیتا جہاں وہ اور اس کے دوست باقاعدہ ورزش کرنے لگتے۔ اِسی اکھاڑے میں نرن کے چچا زاد بھائی کا بازو ٹوُٹ گیا اِس پر یہ اکھاڑا بند کرنا پڑا، اس کے بعد وہ اپنے پڑوس میں ایک اور اکھاڑے میں جانے لگا اور وہاں تلوار چلانا، لاٹھی گھُمانا اور کُشتی اور دنگل سیکھنے لگا، لیکن جب اِن باتوں سے جی بھر گیا تو جادو لمپ لے کر گھر

پر بائسکوپ دکھانا شروع کر دیا، ایک دفعہ کھانا پکانے کا شوق سوار ہوا تو دوست یاروں سے کچھ چندہ جمع کیا اور باقی سارا خرچ اپنی جیب سے نکال ایک باورچی خانہ کھول دیا خود خانساماں بَن بیٹھا اور دوسرے دوست اس کے مددگار بَن گئے اور طرح طرح کے کھانے بننے لگے۔

اِن سب باتوں پر بھی چھوٹے بڑے، امیر اور غریب، اونچی اور نیچی ذات کے لوگ سب نرن کے گرویدہ تھے، اُس کے لیئے سب کے دروازے کھُلے تھے اور وہ ہر جگہ نہایت بے تکلفی سے جاتا کبھی کسی سے نہ ہچکچاتا، بات یہ تھی کہ اُس کی حاضر جوابی، بے ضرر شرارتیں، بچوں اور زندہ دل نوجوانوں کو تو کیا سنجیدہ بزرگوں کو بھی ہنسا دیتی تھیں اس کے علاوہ جس چیز نے اُسے اور بھی ہر دلعزیز بنا رکھا تھا وہ یہ تھی کہ جہاں کہیں کسی دوست جانکار پر کوئی مشکل آ بنتی یا مصیبت آن پڑتی وہ جھٹ مدد کے لئے پہنچ جاتا۔ اس کی ہمدردی سب کے ساتھ تھی، وہ نہ صرف تیز فہم تھا بلکہ بے حد حساس بھی تھا۔

نرن کا بچپن کچھ اس طرح سے گزرا کہ اس نے جی بھر کر شرارتیں تو ضرور کیں لیکن اس کے فطری رجحان نے اُسے بُری صحبت سے ہمیشہ بچائے رکھا۔ اُس کی زندگی کی بنیاد صداقت[1] اور راست گوئی پر تھی، قدرت نے اُسے غلط راستوں پر نہ بھٹکنے دیا، اُس کے دن کھیل کود، ہنسی مذاق اور بے فکری میں گزر رہے تھے، لیکن اُس کی راتیں بھگوان کے دھیان میں بیتنے لگیں، تھوڑے

---

[1] سچائی

ہی عرصہ میں اُسے رُوحانی جلوے نظر آنے لگے جوں جوں عمر بڑھتی گئی نرن کی طبیعت میں ایک انقلاب آنے لگا۔ اُسے دماغی کاموں سے زیادہ دلچسپی ہونے لگی۔ اور اس کا بیشتر[1] وقت کتابوں اور رسالوں کے مطالعہ میں صرف ہونے لگا وہ جلسوں میں بھی جانے لگا، یہاں جو تقریریں ہوتیں اُن کا نچوڑ[2] اپنے دوستوں کو سُناتا، مگر وہ صرف دوسروں کی باتوں کو دُہرانے پر ہی اکتفا[3] نہ کرتا بلکہ اُن کی جامع تشریح[4] بھی کرتا اور اُن پر رائے زنی بھی، اس طرح اس کی قوتِ تنقید خوب زور پکڑنے لگی، یہاں تک کہ بحث مباحثہ میں کوئی بھی اس کی تاب نہ لا سکتا تھا۔

سن ۱۸۷۷ء میں جب نرن کی عمر چودہ برس کی تھی اس کے باپ وشوا ناتھ دت کو رائے پور واقع مدھیہ پردیش جانا پڑا چونکہ رائے پور میں کوئی سکول نہ تھا اس لئے نرن کو گھر پر ہی رہنا پڑا۔ اس دوران میں اُسے اپنے باپ کے قریب آنے کا نایاب اور سُنہری موقع ملا۔ جو کلکتہ میں وشوا ناتھ دت کی مصروفیات کی وجہ سے ناممکن تھا۔ باپ کا مہذب ضمیر اور شُستہ دماغ بیٹے کے لئے ایک بڑی کشش ثابت ہوا۔ باپ بیٹے میں گھنٹوں گہرے پیچیدہ اور دقیق[5] فلسفیانہ مسائل پر طویل مباحثے ہوتے تھے جن سے قوتِ بیان، مناسبتِ خیال اور نکتہ چینی کی مشق ہوئی تھی۔ وشوا ناتھ کا قول تھا کہ سچی تعلیم محض جانی بوجھی چیزوں کو بچوں کے دماغ میں ٹھونس دینے کا نام نہیں

---

[1] زیادہ تر [2] لب [3] بس نہ کرنا [4] ارتھ [5] مشکل

بلکہ اس کا نصب العین خیالات کو محرک کرنا اور سوچ بچار کی عادت ڈالنا ہے اس لئے نرن کو بحث مباحثہ میں پوری آزادی تھی یہاں تک کہ جب بڑے بڑے عالم[1] و فاضل وشوا ناتھ دت کو ملنے آتے تو نرن کو نہ صرف اُن کی عالمانہ باتیں سُننے کا موقع دیا جاتا بلکہ اُن میں حِصّہ لینے کو بھی کہا جاتا، اِدھر نرن کی خود اعتمادی[2] کا یہ حال تھا کہ ان اوقات پر بڑوں بڑوں سے اپنی ذہنی قابلیت کا اعتراف کرواتا اور اگر کبھی اُسے اپنی ذہانت کی خاطر خواہ[3] داد نہ ملتی تو وہ غصہ اور رنجش کے اظہار کرنے میں قطعی تأمّل[4] نہ کرتا، گو اس کے پتا کو اس کا یہ رویہ پسند نہیں تھا اور کبھی کبھی اس کو ڈانٹ بھی دیتے تھے لیکن دل ہی دل میں اُس کی بیدار نفسی[5] اور نکتہ سنجی، دِقتِ نظر، اور جذبۂ خودداری پر بجا طور پر فخر بھی کرتے تھے۔

دو سال کے بعد ۱۸۷۹ء میں وشوا ناتھ دت بمعہ عیال و اطفال[6] کلکتہ واپس آگئے۔ چونکہ نرن دو سال تک سکول سے غیر حاضر رہا تھا اِس لئے دوبارہ داخلہ میں کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس کے اساتذہ[7] اس کی قابلیت کی وجہ سے اُس سے اِتنا پیار کرتے تھے کہ اُسے داخل کر ہی لیا گیا۔ نرن نے بھی اِتنی محنت سے کام کیا کہ تین سال کا کورس ایک سال میں پُورا کر کے انٹرنس کا امتحان بہت ہی اچھے نمبروں سے پاس کرلیا۔ یہی

---

[1] وِدوان [2] آتم وشواس [3] من مانی [4] ذرا نہ ہچکچاتا۔
[5] ہوشیاری، باریکیوں کو سمجھنے والا، پرکھنے والی آنکھ اور اپنی عزت کا خیال۔
[6] بال بچوں سمیت [7] اُستاد۔

نہیں بلکہ سکول کی کتابوں کے علاوہ نرن نے اِس چھوٹی سی عمر میں انگریزی اور بنگالی ادب کے بہت سے شاہکاروں کا مطالعہ بھی کرلیا اور ہندوستان کی تاریخ پر کئی مُستند کتابیں پڑھ ڈالیں۔ اُس کے مطالعہ کا طریقہ بھی خاص اپنا ہی تھا۔ اپنی قوت مطالعہ کا ذکر کرتے ہوئے سوامی وویکانند نے خود لکھا ہے "میرے لئے کسی مصنف کو سمجھنے کے لیئے یہ ضروری نہیں تھا کہ میں اس کی کتاب کی ہر سطر پڑھوں، عموماً پیرے کے پہلے اور آخری جملے کو ہی پڑھ کر میں سب مفہوم[1] سمجھ جاتا تھا، جب یہ اہلیت اور بڑھی تو میں سب پیرے پڑھنا بھی غیر ضروری سمجھنے لگا کسی صفحے کی پہلی اور آخری سطر کو پڑھتے ہی یہ سمجھ جاتا کہ اس صفحہ پر کیا لکھا ہے اور اگر کوئی مصنف اپنے مضمون کی وضاحت اور بحث میں صفحے کے صفحے لکھتا چلا جاتا تو میں اس کے دلائل اور مُدعا کو چند سطور پڑھ کر ہی اخذ کر لیتا تھا اور باقی تمام ورق بس اُلٹ دیتا تھا۔"

دسویں کے امتحان کے بعد نریندر پریزیڈنسی کالج میں داخل ہوگیا، کچھ عرصہ بعد وہ سکاٹش مشنری بورڈ کی جنرل اسمبلی انسٹی ٹیوشن[2] میں چلا گیا۔ کالج کے دَوران میں نریندر نے سب پر اپنی قابلیت کا سِکّہ جما دیا، اُس کے ہندوستانی اور انگریز پروفیسر سب اس کی غیر معمولی ذہانت کے قائل تھے۔ پرنسپل ڈبلیو ڈبلیو ہیسٹی (W.W. Hastie) نریندر کے متعلق لکھتے

---

[1] مطلب۔

[2] Scottish Missionary Board
General Assembly Institution

ہیں :-

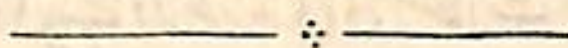
"مَیں نے دُور دراز سفر کیا ہے، لیکن اتنی قابلیت اور ذہانت کا مالک کسی لڑکے کو نہیں پایا، یہ لڑکا بڑا ہو کر زندگی میں نمایاں کام کرے گا۔"

نریندر کا مطالعہ کالج کی کتابوں پر ہی محدود نہیں تھا۔ دو ہی سال میں اس نے مغربی منطق کے شاہکاروں پر عبور حاصل کر لیا، تیسرے اور چوتھے سالوں میں مغربی فلاسفی اور یُورپ کی مختلف قوموں کی پُرانی اور نئی تاریخ پڑھ ڈالی۔ لیکن نریندر صرف کتابی کیڑا ہی نہ تھا۔ اس کی سنجیدگی کے ساتھ ساتھ اُس کی شخصیت کا ایک دوسرا پہلو بھی تھا، وہ ایک خوش طبع[۱] اور زندہ دل نوجوان تھا وہ ہر مجلس کی رُوحِ[۲] رواں تھا، اس کی جاندار گفتگو، حاضر جوابی، شیریں موسیقی۔ اور بے ضرر ہنسی ہر محفل کی جان تھی ہر مجلس اس کے بغیر سونی ہوتی تھی۔ نریندر کے اطوار غیر رسمی تھے اور طبع اس قدر روشن کہ وہ دُنیا کی ہر نمائش اور بناوٹ کو عُریاں کر دیتا تھا عام روش[۳] کا اتباع اور رسم و رواج کی پابندی وہ جانتا ہی نہیں تھا۔ دنیا داری اور لگاوٹ کی باتیں اسے ہرگز نہ بھاتیں اور وہ اکثر بے رحمی سے اُن کا مضحکہ[۴] اُڑاتا تھا۔ وہ ہر طرح کی کمزوری کا دُشمن تھا، طاقت ہی میں اُس کا اعتقادِ[۵] کامل تھا اور وہ بہادری کے کارناموں کے لیئے ہمیشہ کمر بستہ[۶] رہتا تھا۔ مگر نریندر کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی جسمانی ذہنی اور قلبی پاکیزگی تھی۔ اس جیسے وجیہ[۷] جوان کے لیئے سب رستے کھُلے تھے لیکن اُس کے ذوقِ سلیم اور وجدانِ

---

[۱] ہنس مکھ [۲] جان [۳] بھیڑ چال [۴] مذاق [۵] پُورا وِشواس [۶] تیار
[۷] صحت مند اور خوب صورت

کلیم نے اسے کبھی گمراہ نہ ہونے دیا۔ اسے برکتِ الٰہی کہو یا اس کی ماں کی تعلیم اور اُن کی ذاتی مثال کا اثر کہ نریندر نے پاکیزگی کو ہی اپنے ہر عمل کا معیار بنا لیا تھا۔ اپنی زندگی کے اِس دَور کا ذکر کرتے ہوئے سوامی جی نے خود کہا ہے "کوئی طاقت تھی جو مجھے بُرے کاموں کی طرف جانے سے روک لیتی تھی" سچ تو یہ ہے کہ نریندر کی سرشت[1] میں سنیاس تھا۔ اُس کی سطحی زندہ دلی کی تہ میں ایک صوفیانہ انداز نہاں تھا وہ بظاہر ایک خوش طبع جوان تھا لیکن دراصل ایک تیاگی سادھو۔ یہی وجہ تھی کہ جب اُس کے باپ نے ایک اچھے امیر گھرانے میں اس کی شادی کی بات کی اور یہ بھی جتلایا کہ اس تعلق سے مستقبل کی کامیابی کے مواقع بھی ہاتھ آئیں گے، تو نریندر نے صاف انکار کر دیا، اور عجیب بات تو یہ ہے کہ جب کبھی بھی اس کی شادی کی بات چھڑتی کوئی نہ کوئی مشکل راہ میں حائل ہو جاتی اور اس خیال کو ترک کر دیا جاتا۔



---

[1] بھگوان کی دیا سے گھٹی۔

سری رامکرشن سے مُلاقات

ہم اوپر نریندر کے دھارمک رُجحان، دیوی دیوتاؤں سے عقیدت[۱] اور
گیان دھیان کی جھلک دیکھ چکے ہیں، جوں جوں مغربی سائنس اور فلسفہ کے
مطالعہ سے نریندر کا ذہنی اُفق وسیع ہوا وہ اپنے لڑکپن کے دیوتاؤں اور قدیم
اعتقادات پر شک کرنے لگا ہر رسم و رواج پر نکتہ چینی اور ہر مذہبی بیان پر
شک و شبہ سے نریندر کے رُوحانی شعور کو دھکا سا لگا جس سے ایک ذہنی
طُوفان پیدا ہوا اور اس کے دل میں ایک ہلچل مچ گئی وہ نہایت ہی بے چین
رہنے لگا اِس ذہنی اضطراب[۲] اور انتشار[۳] کی حالت ایک ایسے جہاز کی سی
تھی جو بغیر لنگر کے ہچکولے کھا رہا ہو اُس کے دل میں بھگتی بھری تھی لیکن اس کا
دماغ اس بھگتی کی حقیقت کو پُوری طرح سمجھ نہ پایا تھا۔ اس کے یقین کو اس
کی عقل نے ابھی تسلیم[۴] نہیں کیا تھا، اسے اپنی شردھا اور بھگتی کے لیے منطق اور
دلائل کے سہارے کی تلاش تھی، یہ محسوس کرتے ہوئے بھی کہ منطق سے نہ تو انسانی
احساسات کی تسلی ہوتی ہے اور نہ زندگی کی مشکلات کا حل دستیاب[۵] ہوتا ہے، وُہ
کبھی کبھی سوچنے لگتا کہ مُدلل[۶] فلسفہ ہی زندگی کا سچا رہبر ہے اور عقل[۷] و شعور کے
سہارے سے ہی انسان انتہائے حقیقت[۸] کو پہنچ سکتا ہے ۔ جان سٹوارٹ مِل
(JOHN STUART MILL) اور ہربرٹ سپنسر (HERBERT SPENCER) کے

---

۱ شردھا ۲ بے چینی ۳ بکھراؤ ۴ مانا تھا ۵ ملتا ہے ۶ دلیل سے پُر ۷ بُدھی
اور سمجھ ۸ سچائی کی حد ۔

مطالعہ نے اس کے خیالات میں ایک ہیجان پیدا کر رکھا تھا اور اس کے دل و دماغ پر طرح طرح کے پریشان[1] کن شکوک کا تسلّط[2] ہونے لگا اور وہ ناستک سا ہو گیا۔ لیکن اس ناستکتا میں بھی اسے تسکین نہ ملی کیونکہ اس کی فطری رُوحانیت اُبھرتی رہی۔ اِس حقیقت کے انکشاف[3] کے لیۓ جس تک عقل و خرد کی رسائی نہیں ہے۔ نریندر تڑپتا رہا۔

زندگی کے اِس نازک مرحلے پر مشہور و معروف برہمو لیڈر اور کامیاب مصلح کیشپ چندر سین کے لیکچر اور مضامین نریندر پر اثر انداز ہوئے، وہ برہمو سماج کی تحریک میں دلچسپی لینے لگا اور برہمو سماج کا ممبر بن گیا، برہمو سماج نے اِس وقت سناتن ہندو دھرم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رکھی تھی اور مُورتی پُوجا، بے شمار دیوی دیوتاؤں، ایشور اوتار، گرُو بھگتی سب پر بے پناہ نکتہ چینی جاری تھی، اور ایک ہی پرماتما کا پرچار کیا جاتا تھا۔ ساتھ ہی سوسائٹی[4] کے پرانے رسم و رواج کی ریفارم[5] پر زور دیا جا رہا تھا، ذات پات کو نہ مان کر انسانی مساوات[6] کی تبلیغ[7] کی جا رہی تھی، عورتوں کے لیۓ تعلیم اور آزادی کا مطالبہ[8] ہو رہا تھا۔ قدرتی طور پر اس تحریک نے بنگال کے نوجوانوں کے دل و دماغ پر قبضہ پا لیا تھا اور نریندر بھی برہمو سماج کو ایک ایسا آدرش ادارہ سمجھنے لگا تھا جہاں زندگی کے سب انفرادی اور قومی مسائل کا حل حاصل ہو سکتا تھا۔ اُسے ذات پات کے خلاف سخت نفرت تھی اور اس کا بے شمار دیوی دیوتاؤں پر

---

[1] پریشان کرنے والے [2] قابو [3] کھُل جانا۔ ظاہر ہونا [4] سماج [5] اصلاح۔ [6] برابری [7] پرچار [8] مانگ۔

اعتقاد بھی اُٹھ چکا تھا، مُورتی پُوجا اب اُس کے لیۓ بے معنی سی چیز ہو چکی تھی، لہٰذا اُس نے برہمو لیڈروں کے خیالات کو سنجیدگی اور صدق[1] دلی سے اپنا لیا اور اس طرح کچھ عرصہ تک اُسے برہمو سماج کے ذہنی ماحول سے ضرور تسکین نصیب ہوئی اور جماعتی پُوجا اور معرفت کے بھجنوں سے رُوحانی لُطف بھی حاصل ہوا لیکن یہ تسلی دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ آہستہ آہستہ نریندر کو محسوس ہونے لگا کہ اگر زندگی کا مقصد اس حقیقت کو پانا ہے جو بیان سے باہر ہے لیکن جس کا ذکر ویدوں اپنشدوں میں آیا ہے تو برہمو سماج اُسے منزل کے قریب لے جانے سے قاصر[2] ہے۔ تلاشِ حق[3] کے اِس مرحلے پر نریندر مہارشی دیوندر ناتھ ٹیگور کے پاس پہنچا۔ مہارشی کی شہرت بطور ایک رُوحانی گُرو کے بہت پھیل چکی تھی۔ نریندر کو اُن سے بہت اُمید تھی، اس نے جاتے ہی سوال کیا "مہاراج کیا آپ نے بھگوان کو دیکھا ہے" مہارشی اس سوال کو سُن کر سوچ میں پڑ گئے۔ اور کچھ جواب نہ دے سکے، اِسی طرح نریندر بہت سے دوسرے مذہبی لیڈروں کے پاس پہنچا مگر سب طرف سے مایوس لوٹا کوئی اس کی رُوحانی پیاس نہ بجھا سکا، اور اُس کے دل کی جلن بڑھتی گئی۔

عین اس وقت جبکہ نریندر روحانی کشمکش میں تھا جبکہ اپنے مذہب پر بھی اُس کا اعتماد ڈگمگا رہا تھا کلکتہ سے صرف چار میل شمال میں ایک ہستی کا قیام تھا جو روحانی مسرت کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ یہ تھے سری رامکرشن جو دکشنیشور کی بستی میں کالی دیوی کے مندر میں وصلِ الٰہی[4] کے سرور[5] میں

---

[1] سچے دل سے [2] ناقابل [3] پربھو ملن [4] پربھو ملن [5] کے آنند۔

مگن تھے۔ اُن کی زندگی نریندر کی زندگی کے بالکل متضاد[1] تھی۔ اُن کا جنم ضلع ہُگلی کے ایک گاؤں میں ایک غریب برہمن کے ہاں ہوا تھا اس مقام پر مغربی تہذیب کا سایہ تک نہیں پڑا تھا اُن کے والدین پُرانے ہندو دھرم کے سخت پابند تھے، اُنہوں نے کسی قسم کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی تھی۔ غریبی سے مجبور ہو کر چھوٹی ہی عمر میں دکشینشور کے کالی دیوی کے مندر میں پُجاری کے کام پر لگ گئے تھے۔ اسی وقت سے اُن کی رُوحانی زندگی کی ابتدا ہوئی۔ دوسرے پجاریوں کی طرح اُن کی پُوجا محض رسمی پُوجا نہ تھی۔ تھوڑے ہی عرصے میں اپنی سچی شردھا اور بھگتی کی بدولت اُن کو دیوی کے درشن نصیب ہوئے اور اُن کی ریاضت بارور ہوئی۔ اُنہوں نے دیوی کو ایک حقیقی اور زندہ ماں کی صورت میں نمایاں کیا، لیکن اس پر بھی بس نہ کرتے ہوئے اپنی رُوحانی ریاضت[2] کو جاری رکھا، اس طرح اُنہوں نے بھگوان کو ہر روپ میں دیکھا، اپنی زندہ مثال سے ثابت کر دیا کہ ہندو مذہب کے دیوی دیوتا ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں۔ اس طرح اُن کی زندگی ہندو دھرم کے ہر پہلو سے ہم آہنگ[3] ہو گئی، لیکن اِس پر بھی اکتفا[4] نہ کر کے اُنہوں نے دوسرے مذاہب کے اعتقاد کو بھی اپنایا اور اُن کے اُصول اور ضوابط کے مطابق ریاضت کر کے اُن سب کو بھی سچا ثابت کیا اور دُنیا کو دکھا دیا کہ سب مذاہب کی منزلِ مقصود ایک ہی ہے جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اُس وقت اُن

---

[1] اُلٹی [2] تپ [3] مِل گئی [4] بس

کی حالت ایک خُدا رسیدہ مجذوب کی تھی جو دُنیا و مافیہا سے بے خبر رُوحانی زندگی مستانہ بسر کر رہا ہو۔

نریندر نے سری رامکرشن کی تعریف پہلی بار اپنے کالج کے پرنسپل ولیم ہیسٹی (William Hastie) سے سُنی، ایک دن پرنسپل صاحب کلاس میں ورڈز ورتھ (Wordz Worth) پڑھا رہے تھے، جب رُوحانی مسرت[1] کا ذکر آیا تو طلبا کو اس کا مفہوم پوری طرح نہ سمجھا سکے، کہنے لگے کہ نشاطِ[2] رُوح کے معنی کو سمجھنا ہو تو دکشنیشور جا کر سری رامکرشن کے درشن کرنا چاہیئے کیونکہ وہ آنند کا مجسمہ ہیں۔ اِس سے پہلے نریندر نے سری رامکرشن کو کلکتہ میں ایک بھگت کے مکان پر دیکھا تھا جہاں خود اُسے گانے کے لئے مدعو کیا گیا تھا، اب وہ نقشہ اُس کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور اپنی رُوحانی شکل میں سری رامکرشن کی مدد کا خیال دل میں بیدار ہوا اُس نے سری رامکرشن سے ملنے کا فیصلہ کیا تاکہ اُن کے رُوحانی تجربوں کا ذکر سُن سکے۔ چنانچہ وہ اپنے چند دوستوں کو ساتھ لے کر ایک دن دکشنیشور جا پہنچا، جب وہ سری رامکرشن کے کمرے میں داخل ہوا تو اُس کی حالت یہ تھی کہ اُسے نہ تو اپنے گردونواح[3] کی کچھ خبر تھی اور نہ اپنے لباس وغیرہ کا کچھ خیال، وہ اپنے ہی خیالات میں مگن تھا اُس کی آنکھوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ رُوح کی گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی ہیں، کلکتہ کے مادی ماحول سے ایک ایسی رُوحانیت سے لبریز[4] شخصیت کا نمودار ہونا کچھ کم حیرانی کی بات نہ تھی، سری رامکرشن نریندر کی

---

[1] آنند [2] آتم آنند [3] اِدھر اُدھر۔
[4] بھری ہوئی۔

روحانی حالت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور نریندر سے بھجن گانے کو کہا، اس نے دو بنگالی بھجن گائے اِن بھجنوں میں اِس قدر احساسِ معرفت تھا کہ سری رامکرشن پر سمادھی کی حالت طاری ہوگئی، کچھ دیر بعد انہوں نے نریندر کو ساتھ لے کر کمرہ میں جانے کو کہا جیسے وہ اُسے کوئی خاص ہدایت دینا چاہتے ہوں۔ اس کمرہ میں پہنچ کر سری رامکرشن کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو برسنے لگے جیسے کوئی بچھڑا ہوا دوست مل گیا، اُن کا گلہ بھر آیا اور وہ بہت ملائمیت سے کہنے لگے "میں آج تک تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ دُنیاوی لوگوں کی باتیں سُن سُن کر میرے کان جل چکے ہیں مجھے تم جیسے ساتھی کی تلاش تھی جو میرے رُوحانی تجربات کا اندازہ کر سکے جسے میں اپنی گہری سے گہری رُوحانی حالت سے آشنا کر سکوں اور جو دُنیا میں ایک عظیم الشان روحانی مشن کو سرانجام دے کر انقلاب پیدا کر دے۔"

نریندر یہ باتیں سُن کر شش و پنج[1] میں پڑ گیا وہ سوچنے لگا کہ کہیں سری رامکرشن پاگل تو نہیں ورنہ وہ ایسی بے تکی باتیں کیوں کرتے، اِس حیرانگی کے عالم میں وہ باہر اپنے دوستوں کے پاس واپس آیا، اور چپ چاپ بیٹھ گیا، رہ رہ کر خیال آتا کہ کہیں سری رامکرشن کسی خاص جذبہ کے تحت اپنا دماغی توازن[2] تو نہیں کھو بیٹھے، لیکن جب اُن کی مجذوبانہ حالت اور مستی پر غور کیا تو اس میں کہیں بھی بناوٹ کا رنگ نہ پایا اُسے اس بات کا بھی شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اُن کی قربت میں ایک خاص رُوحانی سرور مل رہا تھا اُن کے الفاظ میں یقین اور

---

[1] نرمی سے [2] حیران رہ گیا [3] پاگل تو نہیں ہوگئے

ایمان کی سچی جھلک تھی، بھگوان کے متعلق اُنہوں نے فرمایا "بھگوان کے درشن ہو سکتے ہیں بھگوان سے عین اِسی طرح گفتگو کی جا سکتی ہے جیسے میں تم سے کر رہا ہوں، لیکن سوال تو یہ ہے کہ کون ہے جو سچے دل سے بھگوان سے ملنا چاہتا ہے" اِن الفاظ میں صداقت کا جلترنگ بج رہا تھا اِس قسم کے الفاظ ایک پاگل کی زبان سے نہیں نکل سکتے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہ سب کچھ اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر کہہ رہے تھے اِن سب باتوں کا خیال کرتے ہوئے نریندر نے محسوس کیا کہ اگرچہ سری رامکرشن کا رویہ عجیب تھا لیکن اُن کے مہاتما ہونے میں کوئی شک نہ تھا، اُس نے تہیہ کر لیا کہ وہ اُن کی زندگی کا مشاہدہ کرے گا اور اُن کے اطوار کی پرکھ کرے گا۔ وہ اِسی تذبذب میں کلکتہ واپس لوٹ آیا، لیکن آتے وقت جب سری رامکرشن نے اس سے دوبارہ دکشنیشور آنے کو کہا تو وعدہ کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اپنے آپ پر جبر کرنے پر بھی نریندر سری رامکرشن کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔

اِس ملاقات کے ایک مہینہ بعد نریندر دوسری بار دکشنیشور پہنچا، اس دفعہ تو اُسے اور بھی حیرت انگیز تجربہ ہوا۔

سری رامکرشن نے بہت پیار سے اس کا استقبال کیا اور چارپائی پر اپنے پاس بیٹھنے کو کہا، سری رامکرشن سرور کی لہر میں ڈوبے ہوئے تھے نریندر کے بیٹھتے ہی اسے اپنے دستِ مبارک سے چھو دیا۔ نریندر پر فوراً غشی کی حالت چھا گئی وہ دُنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو گیا، اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے نریندر نے بعد میں کہا "اُن کا مجھے چھونا ہی تھا کہ مجھ پر ایک عجیب و غریب حالت طاری ہو گئی، میری آنکھیں کھلی تھیں لیکن مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کمرے کی

دیواریں اور وہاں کی سب چیزیں تیزی سے گھوم کر غائب ہوگئیں۔ پھر ایسا ہوا کہ میرے سمیت تمام دُنیا ایک پُر اسرار خلا میں سماتی چلی گئی مجھے ڈر لگنے لگا ایسا جان پڑتا تھا کہ موت کا سامنا ہو رہا ہے ڈر کے مارے میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا اور چلا اُٹھا "آپ کیا کر رہے ہیں۔ میرے ماتا پتا گھر پر ہیں" یہ سُن کر سری رامکرشن زور سے ہنس دیئے اور میرے سینے کو پیار سے ٹھونکتے ہوئے کہنے لگے "خیر آج اِسی پر اکتفا کرو، آہستہ آہستہ ہر چیز اپنے وقت پر ظاہر ہو جائے گی" اُن کا یہ کہنا ہی تھا کہ میں پہلی حالت پر واپس آگیا اور ہر شئے پھر سے اپنی روزمرہ کی صورت میں دکھائی دینے لگی۔

اِس واقعہ سے نریندر کی خود ستائی کو دھکا سا لگا وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ سری رامکرشن نے فقط چھو کر اس کے دل و دماغ میں کیونکر ایک ہلچل پیدا کر دی۔ اور ایک نئی دنیا میں پہنچا دیا، کیا یہ جادو تھا یا مسمریزم، لیکن جادو یا مسمریزم تو کمزور دماغوں ہی پر قابو پا سکتا ہے اور نریندر کو تو اپنی دماغی طاقت پر ناز تھا اُسے یہ سوچ کر شرم سی آنے لگی کہ وہ اس ہستی کو پاگل سمجھا تھا جو اس کے دل و دماغ پر اس طرح حاوی ہونے کی اہلیت رکھتی ہے، یقیناً ایسا شخص پاگل نہیں ہو سکتا، لیکن ابھی وہ اس واقعہ کے راز کو نہ پا سکا البتہ اس کی عقلِ سلیم کو ایک ناخوشگوار ٹھیس ضرور لگی جن قدروں پر اس نے اپنی زندگی کی بنیاد ڈال رکھی تھی وہ اپنی جگہ سے ہلنے لگیں۔ ہر چیز ایک لاینحل[1] سوال بن کر اس کے سامنے آنے لگی، آج تک وہ یہی سمجھا تھا کہ دُنیا کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جسے

---

[1] مشکل، حل نہ ہونے والا سوال۔

عقل حل نہ کرسکے لیکن آج اُسے اپنی عقل کی ہمہ دانی اور ہمہ گیری[1] پر شک ہونے لگا۔

بہر حال اس نے دل میں ٹھان لی کہ سری رامکرشن کو اپنے دماغ پر تسلط جمانے کا موقع پھر کبھی نہ دونگا لیکن یہ ارادہ بہت دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ سری رامکرشن کی سادگی اور پاکیزگی میں ایک بے پناہ کشش تھی۔ آخر ایک ہی ہفتے کے بعد نریندر پھر اُن کے پاس جا پہنچا اور اس بار بھی باوجود مصمّم[2] ارادے کے اُن کی تاب نہ لا سکا۔ اس دفعہ سری رام کرشن اُسے مندر کے ساتھ والے باغ میں لے گئے اور وہاں جا کر سمادھی اختیار کر لی! اور نریندر کو چھُو کر تمام بیرونی احساسات سے غافل کر دیا، سچ تو یہ ہے کہ نریندر نے اپنی طرف سے بہت ہی محتاط رہنے کی کوشش کی لیکن جوں ہی سری رامکرشن نے اُسے حالتِ سرور میں چھُوا اُسے اپنی کچھ بھی سُدھ بُدھ نہ رہی، جب اُسے ہوش آیا تو سری رام کرشن اُس کے سینے کو آہستہ آہستہ ٹھونک رہے تھے۔ نریندر کو اِس دفعہ بس ایک گہری رُوحانی نیند کے احساس کے علاوہ اپنی بے ہوشی کی حالت کا کچھ علم نہیں ہوا البتہ بعد میں اس کا ذکر کرتے ہو خود سری رام کرشن نے بتایا کہ اِس موقع پر نریندر اپنی اندرونی گہرائیوں میں اُتر گیا اور میں نے اُس کی اندرونی زندگی کا مطالعہ کیا جس سے مجھے اس کی حقیقی روحانی طاقت کا یقینی طور پر علم ہو گیا اور اپنے ہونے والے شاگرد کے متعلق میرے تمام اندازوں پر وثوق[3] کی مُہر لگ گئی۔

اِدھر نریندر کو بھی اب تو سری رام کرشن کی بے پناہ رُوحانی طاقت کا پُورے

---

[1] سب کچھ جاننا اور سب پر حاوی ہونا [2] پکّا [3] سب اندازے یقینی طور پر پکے ہو گئے

طور پر یقین ہو گیا اور وہ اُن کی سچے دل سے عزت کرنے لگا۔ لیکن وہ ابھی تک اُنہیں اپنا گُرو ماننے کے تیار نہ تھا، آخر کوئی شخص کتنی ہی رُوحانیت کا مالک کیوں نہ ہو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس سے کبھی کوئی غلطی سرزد نہ ہو اور وہ ہمیشہ ہی سچا رہبر اور مُرشد ثابت ہو اور گُرو قبول کرنے کے عام معنیٰ تو یہ ہیں کہ اپنا سب کچھ اس کے سپرد کر دیا جائے اور خواہ عقل کسی بات کو تسلیم کرے یا نہ گُرو کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ نریندر کسی بھی حالت میں اپنی عقل سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھا، مغربی تعلیم کا اثر سمجھئے یا برہمو سماج کا نریندر سری رامکرشن کی کسی بھی بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھے بغیر قبول کرنے کے لئے راضی نہیں تھا۔ لیکن کب تک ؟ سری رامکرشن کی بے کنار[1] محبت کے سامنے اُس کا بس نہ چل سکا، اب وہ بار بار دکشنیشور آنے لگا اُدھر سری رامکرشن بھی اُس کی طرف آنکھیں لگائے رہتے تھے اگر کچھ عرصہ تک نریندر نہ آتا تو بے چین ہو جاتے اور کبھی کبھی تو یہ بے چینی حد سے گزر جاتی۔ اس وقت اُن کی حالت اس ماں کی طرح ہو جاتی جس کی گود سے موت کے بے رحم ہاتھوں نے اس کا اکلوتا بیٹا چھین لیا ہو اور پھر نریندر آجاتا تو اُن پر سرور کی حالت طاری ہو جاتی۔ کئی بار تو نریندر کے بھجن سنتے ہی سمادھی لگ جاتی، سری رامکرشن کو نریندر کے مستقبل کی عظمت صاف دکھائی دے رہی تھی، وہ ہر وقت اُس کی تعریف کرتے رہتے تھے وہ کہا کرتے تھے اگر میرے دوسرے بھگت تاروں کی طرح روشن ہیں تو نریندر سورج ہے اگر دوسرے چیلے چھ یا دس یا سولہ پتوں والے کنول ہیں تو نریندر ہزار پتیوں کا کنول ہے،

---

[1] اتھاہ

نریندر جنم ہی سے مُکت جیو ہے' (آزاد روح) جو دُنیا کی بھلائی کے لیئے پیدا ہوا ہے، کئی بار سری رامکرشن نریندر کی اتنی زیادہ تعریف کرتے اور وہ بھی اُس کے مُنہ پر کہ نریندر کو مجبوراً کہنا پڑتا کہ یہ سب اس دماغی کمزوری کا نتیجہ ہے جو محبت نے پیدا کر رکھی ہے''۔

باوجود اس محبت کے نریندر نے سری رامکرشن سے بحث و مباحثہ ختم نہیں کیا، اس نے اُن کی ہر بات کو پرکھنے کا تہیہ کر رکھا تھا، وہ اُصولاً گُرو کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا۔ اُسے مُورتی پُوجا میں اعتقاد نہیں رہا تھا۔ وحدت الوجود[1] کا اُسے یقین نہیں تھا۔ سری رامکرشن کو یہ سب باتیں نریندر کو سمجھانے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ کئی بار تو اُنہوں نے مندر میں جاکر خود کالی ماتا سے نریندر کی ذہنی تسلی کی درخواست کی کبھی کبھی تو وہ تنگ آکر کہہ اُٹھتے "اگر تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں آتا تو پھر میرے پاس کیوں آتے ہو؟" نریندر کب دبنے والا تھا، جھٹ جواب دیتا "اِس لیئے کہ میں آپ کی سچے دل سے عزت کرتا ہوں، اِس لیئے کہ یہ عزت محبت کی حد تک پہنچ گئی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں بغیر سوچے سمجھے آپ کی ہر بات کو اندھا دُھند مانتا چلا جاؤں" یہ سُن کر سری رامکرشن کو سچی خوشی ہوتی کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ نریندر محض بحث کی خاطر نہیں بلکہ اپنی ذہنی تسلی کے لیئے مشکل سے مشکل سوال اُٹھاتا ہے، اُنہیں اُس کی ذہنی صداقت کی قدر تھی وہ اس کے تمام صالح تقاضے جائز سمجھتے تھے، اُنہوں نے دوسرے مُریدوں[2] کے لیئے مختلف قسم کی بندشیں عائد کر رکھی تھیں لیکن نریندر کو مکمل آزادی تھی، وہ کہا کرتے تھے" نریندر

---

[1] ایک برہم [2] چیلوں

ایک ایسی آگ ہے جس میں کوئی ناپاک خیال لمحہ بھر کے لیئے بھی زندہ نہیں رہ سکتا
نریندر کے لئے غلط[1] روی ناممکن ہے اس کے لیئے کسی قید کی ضرورت نہیں" غرض
نریندر کی رُوحانی تربیت اس طرح ہوتی رہی اور اس کی خود اعتمادی[2]، حق پرستی[3]،
آزاد روی[4]، اور آزاد خیالی اُس کی قدرتی نشو ونما کے ساتھ ساتھ ترقی پاتی
رہی سچ تو یہ ہے نریندر اور سری رامکرشن کے درمیان جو شیریں روحانی رشتہ
قائم ہو گیا تھا وہ بیان سے باہر ہے اپنے دل کی کوئی ایسی بات نہ تھی جسے سری
رامکرشن نے نریندر سے چھپا رکھا ہو اور اُدھر نریندر کی نگاہ میں سری رامکرشن
کا درجہ ایک عظیم الشان ہستی سے بڑھتے بڑھتے آخر کار خود بھگوان کے اوتار کی حد
تک جا پہنچا۔

اب نریندر رُوحانی انکشافات اور وصلِ الٰہی کے خواب دیکھنے لگا' ایسا
معلوم ہونے لگا کہ جس خواہش کو وہ اب تک دل میں لئے ہوئے تھا وہ اب پُوری
ہو کر رہے گی، مگر قدرت کو ابھی کچھ اور ہی منظور تھا زندگی کے اس نازک مرحلہ پر
اُس پر ایک ناگہانی مصیبت ٹوٹ پڑی۔ ۱۸۸۴ء کے شروع میں نریندر کے والد
وشوانا تھ دت کی حرکتِ قلب بند ہو جانے سے اچانک موت ہو گئی اور تمام
خاندان کی پرورش کا ذریعہ محض اُٹھ گیا، وشوانا تھ اپنی بساط سے بڑھ کر خرچ کیا
کرتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ مرتے وقت بہت سا قرضہ چھوڑ گئے۔ دُنیا دار دوست اور رشتہ
دار جن پر وشوانا تھ نے کتنے ہی احسان کیئے تھے یکدم کنارہ[5] کش ہو گئے۔ اُن کے
قرضخواہ دروازے پر دھرنا مار کر بیٹھ گئے یہاں تک کہ خاندانی مکان کے چھین

---

[1] بھٹک جانا [2] آتم وشواس [3] سچ کی پُوجا [4] آزاد چال [5] ساتھ چھوڑ گئے۔

لینے کی دھمکیاں بھی دینے لگے ایک امیر اور خوش باش گھرانے پر دفعتاً غریبی اور ناداری گھر آئی اور گھر کے چھ سات افراد کی پرورش کا بوجھ نریندر کے کندھوں پر آپڑا، نریندر بی۔اے پاس کر چکا تھا اور قانون کی تعلیم حاصل کر رہا تھا، امیر باپ کے لاڈلے بیٹے کو مفلسی کا سامنا کرنا پڑا، حالت یہاں تک پہنچی کہ کپڑے اور جوتے تک مہیا کرنا مشکل ہو گیا اور کئی دفعہ تو بغیر کچھ کھائے پیئے ہی کالج جانا پڑا، آخر نوکری کی تلاش میں در بدر بھٹکنا پڑا تاکہ بہن بھائی اور ماں تو بھوکے نہ مریں، لیکن ہر طرف سے مایوسی کا سامنا ہوا۔ اور آخر وہ وقت آپہنچا جب وہ اپنے روحانی ہیجان اور دنیاوی مشکلات کا حل ڈھونڈنے پھر سری رامکرشن کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ اب میں اپنی ماں اور بہن بھائیوں کی تکالیف کو اور زیادہ برداشت نہیں کر سکتا، بھگوان سے میری مصیبتوں کو کم کرنے کو کہیئے سری رامکرشن نے کہا کہ میں بھگوان سے ایسی درخواست کرنے سے قاصر ہوں، تم خود ہی جا کر ماتا سے جو کچھ مانگنا ہے مانگ لو، میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا کروں گا، نریندر اُن کے کہنے پر مندر میں گیا، لیکن جونہی ماتا کے سامنے پہنچا اُسے ایسا معلوم ہوا کہ زندہ دیوی کھڑی مسکرا رہی ہیں، سر جھکا کے کہا "مجھے شردھا بھگتی اور پریم بخشو" واپس آنے پر سری رامکرشن نے پوچھا کیوں ماتا سے جو مانگنا تھا مانگ لیا، نریندر نے کہا وہ تو میں بھول ہی گیا، سری رامکرشن نے اُسے پھر مندر جانے کو کہا، اب کے بھی وہی قصہ ہوا، تیسری بار بھی نریندر شردھا اور بھگتی کے سوا کچھ نہ مانگ سکا تب سری رامکرشن نے مسکرا کر کہا "اگر تم خود اپنی مصیبت کو دور کرنے کے لیئے ماتا سے پرارتھنا نہیں کر پائے تو یہ مجھ سے یہ کیونکر ہوتا نریندر کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ

بھگوان کی لیلا کو سمجھ گیا، اُس دن سے بھگوان کی کرپا سے نریندر کی ماں اور بھائی بہنوں کی پرورش کا بھی کوئی نہ کوئی سبب نکل ہی آتا رہا اور نریندر اپنا زیادہ سے زیادہ سری رامکرشن کے پاس گزارنے لگا۔

ترکِ دُنیا

جوں جوں وقت گزرتا گیا نریندر اپنے آپ کو پُوری طرح سری رامکرشن کے ارپن[1] کرتا گیا، سری رامکرشن کو نریندر کے اوصافِ حمیدہ[2] اور اس کی رُوحانی عظمت پر کامل اعتماد تھا، اس اعتماد اور اُن کی بے غرض محبت نے نریندر کو پُوری طرح گرُو کے قدموں پر نثار[3] ہونے پر مجبور کر دیا اُس نے جتنا ہی اُن کو پرکھا اُتنا ہی کامل پایا، جیسے گرُو سے اُنس بڑھتا گیا نکتہ چینی کی خصلت بھی چھوٹنے لگی اور قطعی طور پر گرُو کے مطیع[4] ہونے میں لطف آنے لگا، اِس طرح نریندر آخر کار[5] بالکل اُنھیں کا ہو کر رہ گیا بعد میں نریندر نے خود کہا ہے "سری رامکرشن ہی اکیلے وہ شخص تھے جنھوں نے مجھ پر ہمیشہ پُورا پُورا یقین رکھا مجھے علم ہے کہ میری اپنی ماں اور میرے بھائیوں کو بھی مجھ پر شک گزرا لیکن سری رامکرشن ایک لمحہ کے لیے بھی میری طرف سے بدظن نہ ہوئے اُن کی بے لاگ محبت اور اُن کے اِس اٹل اور مضبوط اعتقاد نے مجھے ہمیشہ کے لیے اُن کا غلام بنا لیا بس ایک وہی جانتے ہیں کہ سچّی محبت کیا ہے۔"

سری رامکرشن سے تعلق بڑھا تو خودشناسی[6] کی زبردست خواہش نے نریندر کو

---

[1] گن۔ [2] خوبیاں۔ [3] نچھاور۔ [4] تابعدار۔ [5] آ گیا کار۔ [6] اپنے آپ کو پالینا۔

بے چین کر دیا، کالج کی پڑھائی اور گھر کی ذمہ داریاں دونوں زنجیر پا[1] ثابت ہو رہی تھیں، اُکتا کر نریندر بار بار دکشینشور کی پُرامن فضا میں سانس لینے آ نکلتا، اُس کی رُوح دُنیاوی بندشوں سے آزاد ہونا چاہتی تھی وہ سری رامکرشن کے نُورانی شعلہ[2] سے اپنے دل کے دیئے روشن کر چکا تھا اب وہ دُنیا کے مسموم[3] طوفان سے بچا کر اس روشنی کو مہرِ عالمتاب بنانا چاہتا تھا۔ سری رام کرشن کی جہاں بین[4] آنکھوں سے نریندر کی رُوحانی بھوک پوشیدہ نہ تھی، اب وہ آہستہ آہستہ اُسے خود یابی[5] کی راہ دکھانے لگے، نریندر کا شوقِ تلاش اور بھی اُبھرتا گیا، وہ اپنے گرُو کی بتائی ہوئی ہر بات کو جھٹ سے پا جاتا اور اس پر پوری طرح عمل کرتا ایک دن کا ذکر ہے کہ سری رامکرشن ویشنو مت کے اُصول سمجھا رہے تھے فرمایا "اِس مت کے تین بنیادی اُصول ہیں، بھگوان کے نام کا وچار، ہر جاندار کے لیئے ہمدردی اور ترحم اور بھگوان کے بھگتوں کی سیوا" یہ کہتے ہی سری رامکرشن پر سمادھی طاری ہو گئی اور اس حالت میں اپنے آپ سے کہنے لگے "دوسرے جانداروں سے ہمدردی اور ترحم! ہمدردی اور ترحم! بے وقوف تم کون ہوتے ہو، ہمدردی کرنے والے، تمہاری ہستی ہی کیا ہے تم ایک ناچیز رینگنے والے کیڑے ہو اور تمہیں دعوٰے ہے ہمدردی اور ترحم کا، یہ بالکل غلط ہے تمہارا حق صرف خدمت ہے، ہر جاندار کو بھگوان کا رُوپ جان کر اُس کی سیوا ہی سچا دہرم ہے، یہی تمہارا اولیں فرض ہے اور یہی سچی بھگتی۔"

---

[1] پاؤں کی کڑیاں [2] جوالا [3] زہریلی [4] سم درشی [5] اپنے آپ کو پانا۔

یہ الفاظ سب حاضرین نے سُنے لیکن نریندر کے لئے اُن میں ایک خاص پیغام تھا، وہ کمرے سے باہر نکلا تو کہنے لگا، آج مجھے گُرُدیو کے معنی خیز الفاظ میں ایک نئی روشنی نظر آئی ہے، آج گُرُدیو نے بھگتی اور ویدانت کے فلسفوں کو کس خوش اسلوبی سے سُلجھا کر یکجا کر دیا ہے، آج میں سمجھ پایا ہوں کہ ویدانت کے جن اُصولوں پر سنیاسی لوگ دُنیا کو تیاگ کر عمل پیرا ہوتے ہیں، وہ دُنیا میں رہ کر بھی اپنائے جا سکتے ہیں، اِنسان کسی طرح کی بھی زندگی کیوں نہ بسر کرتا ہو اس کے لیئے یہ جاننا ضروری ہے کہ تمام کائنات اور مخلوق بھگوان ہی کی ہستی کا ایک پَرتو ہے ہر شئے کے اندر بھی وہی ہے اور باہر بھی وہی ہر جاندار میں نمایاں ہے اور غیر جاندار میں بھی لیکن وہ ان میں محدود نہیں اگر انسان اس طرح خدا کو بندوں میں دیکھنے لگے تو بڑائی اور گھمنڈ کی گنجائش نہیں رہتی انسان حسد کھائے تو کس سے اور رحم کرے تو کس پر، بندوں کو خدا ہی کا رُوپ جان کر اُن کی خدمت کرنے والا انسان آخر اپنے آپ کو بھی خدا ہی کا جزو پائے گا اور ستیہ چِت آنند کا مفہوم سمجھ جائے گا، یہی مُکتی ہے اور اگر بھگوان کو منظور ہوا تو ایک دن اِس بے پایاں حقیقت کو دُنیا کے کونے کونے میں پھیلا دوں گا۔ میں اِس سچائی کو ہر شخص تک پہنچانے کی کوشش کروں گا، سیانے اور دیوانے، چھوٹے اور بڑے برہمن اور چمار، امیر اور غریب سب کو اِس جاں بخش حقیقت سے فیض یاب کرونگا اور شکر کا مقام ہے کہ وقت آنے پر نریندر نے اپنی بات کو پورا کر دکھایا اور دُنیا کے سامنے خدمتِ[1] خلق کا آدرش کا ایک نئے رنگ میں پیش کیا جس کی بُنیاد

---

[1] لوک سیوا

حقیقت آشنائی پر ہے اور جس کا علم سے اپنے گُرو سے دکشینشور کی امن بار فضا میں ملا۔

۱۸۸۵ء کے وسط میں سری رامکرشن کو پہلی بار گلے کی تکلیف ہوئی، یہی بیماری آخر کینسر (CANCER) بن کر اُن کی جان لیوا ہوئی۔ سری رامکرشن کو علاج کے لیے پہلے "شیام پوکر" اور بعد میں کاسی پور' میں ٹھہرایا گیا۔

سری رامکرشن جانتے تھے کہ اُن کے دن پُورے ہونے والے ہیں اِس لیے گلے کی تکلیف کے باوجود اپنا سارا وقت اپنے خاص بھگتوں کی تعلیم میں صرف کرتے تھے تاکہ اُن کے دِل میں بھگوان کو پانے کی خواہش پیدا ہو جائے۔ خود ان کی اپنی زندگی بھگتی کی ایک زندہ مثال تھی جس سے اُن کے چیلوں کی ہمت بندھتی تھی، وہ اکثر سمادھی میں رہتے تھے اور ہوش میں آنے پر رُوحانیت کے گہرے سے گہرے اُصول اپنے چیلوں کو سمجھا دیتے تھے، نریندر پر خصوصاً اِن اُپدیشوں کا بڑا گہرا اثر پڑا۔

نریندر ہی کے کہنے پر سری رامکرشن کے خاص چیلوں نے اپنا گھر بار چھوڑ دیا اور چوبیس گھنٹے گُرو مہاراج کی سیوا کرنے لگے، نریندر ہی اُن سب کی ہمت بندھاتا فرصت کے وقت وہ سب کو یکجا کرتا اور مطالعہ، بحث و مباحثہ اور بھجن وغیرہ ہوا کرتے، اِس طرح اُن سب کے سنیاس کی بنیاد رکھی گئی۔ سب نریندر کو اپنا لیڈر سمجھنے لگے، اگر کچھ کسر باقی تھی تو اُسے گُرو مہاراج نے خود پُورا کر دیا ایک دن اُنہوں نے سارے نوجوان چیلوں کو حکم دیا کہ آج سادھو سنیاسیو کی طرح در بدر جا کر بھیک مانگ لاؤ اور جو کچھ ملے اُسے ہی پکا کر مجھے بھی کھلاؤ

اور آپ بھی کھاؤ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس طرح سے گویا گورو مہاراج کے اپنے ہاتھوں سب کو سنیاس مل گیا، کچھ دنوں بعد اُنہوں نے پھر سب کو بلا کر کہا "نریندرا میں اِن سب کو تمہارے سپرد کرتا ہوں خیال رکھنا کہ سب پرماتما کے دھیان میں لگے رہیں اور پھر اپنے اپنے گھروں کو نہ لوٹ جائیں۔

یہ سب کچھ ہوا لیکن خود نریندر کی تسلی نہ ہوئی ظاہر تھا کہ گرو مہاراج اب کچھ دنوں کے مہمان ہیں، اُن کے دورانِ[1] حیات میں وصلِ[2] الٰہی کی زبردست خواہش نریندر کو ہر وقت بے چین رکھتی تھی جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ خواہش بڑھتی گئی، نریندرا اور بھی بے تاب ہوتا گیا، اِن دنوں گرو مہاراج اکثر چیلوں کو ہدایات دے کر دھیان لگانے کو کہتے تھے، نریندر کو بھی دھیان میں نایاب رُوحانی تجربات ہوئے اور اس نے رُوحانیت کے کئی مراحل طے کر لیے لیکن اُسے کسی اور ہی شے کی تلاش تھی وہ اسرار و رموز[3] سے گزر کر عرفان کی کیفیاتِ[4] مجرد کو پانا چاہتا تھا وہ مراحل سے گزر کر ایسے مقام پر پہنچنا چاہتا تھا جہاں ذات[5] و صفات کا فرق مٹ جائے وہ احساسِ وحدت[6] الوجود کا خواہاں[7] تھا اُسے معراجِ[8] خودی کی آخری بلندی پر پرواز کی خواہش تھی وہ نرنکار برہم کو پانا چاہتا تھا وہ وصلِ الٰہی کے لیے تڑپ رہا تھا وہ اپنی خودی کو بے خودی میں کھو کر یزدانی خودی کا متلاشی تھا، وہ خودی جو عقل و خرد کے دائرے سے باہر ہے اس نے کئی بار سری رامکرشن سے ایسی بے خودی کی التجا بھی کی لیکن وہ خاموش رہے

---

[1] اپنی زندگی میں [2] پربھو ملن [3] راز کی باتیں [4] پرم بھگتی کے رس [5] گُن [6] ایک برہم [7] خواہش مند۔ متوالا [8] آتم گیان

آخر ایک دن اچانک گرُو مہاراج کی کرپا سے نریندر کی مُراد پُوری ہوئی اور نروکلپ سمادھی" اس کے نصیب میں آئی۔

اِس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے سری رامکرشن نے کہا "میں نے ماتا سے پرارتھنا کی ہے کہ آج کے بعد نریندر کو یہ سمادھی نہیں بخشی جائے گی، اُسے ابھی بہت کام کرنا ہے، اُسے اگر یہ سمادھی ایک آدھ بار اور مِل گئی تو وہ اپنے جسم کو تیاگ دے گا اور جس کام کے لیئے وہ آیا ہے، اُدھورا رہ جائے گا" اور نریندر کا کام خود سری رامکرشن نے دُنیا چھوڑنے سے چند روز پہلے اُسے اپنے پاس بُلا کر سونپ دیا، اب اُن کا اپنا کام ختم ہو چکا تھا وہ ۱۶ اگست ۱۸۸۶ء کو اِس دُنیا سے جسمانی طور پر کنارہ کش ہو گئے۔

نریندر اور اُس کے ساتھیوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا لیکن نریندر نے فوراً ہی سب کو سنیاس کی برادری میں باندھ دیا، کئی نوجوان واپس گھر چلے گئے اور اُنہوں نے پھر سے تعلیم شروع کر دی۔ لیکن نریندر سب کے گھر پہنچا اور ایک ایک کر کے سب کو واپس لے آیا اور اس طرح سے سری رامکرشن مِشن کی لازوال بنیاد "بارانگر"[1] میں رکھی گئی اِن نوجوان سنیاسیوں کو اَن گنت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن غریبی اور مصیبتوں کا طوفان اُن کی ہمّت نہ توڑ سکا، راتیں آنکھوں میں کاٹ کر وہ سخت سے سخت ریاضت میں لگ گئے، گرُو مہاراج کی کرپا اور نریندر کی ہمت افزائی نے ترکِ دُنیا کے ارادوں کو مصمم کر دیا اور وہ ایشور بھگت سنیاس کی راہ پر چل کھڑے ہوئے۔ ریاضت کے علاوہ مغربی اور مشرقی فلسفہ اور مذہبی اَدب کا مطالعہ اُن کے روزمرہ کے کام میں شامل ہو گیا، ان کے

---

[1] امر۔

جوش کی یہ حالت تھی کہ جو بھی اُن سے ملتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا، شہیدوں کی سرفروشی کی سپرٹ اُن میں سرایت کر گئی جس کے سامنے کوئی بھی مشکل نہ ٹھہر سکی۔ اِنہیں دنوں میں "ویراگ" کی مقدس رسم باقاعدہ ادا کی گئی اور سب نے برہمچاریہ اور غریبی کی قسم کھائی اور اپنی زندگی کو بھگوان کے لیے ارپن کر دیا۔ اسی رسم کا ایک حصّہ یہ بھی تھا کہ سب نے اپنے پُرانے نام بدل دیئے، نریندر ناتھ کا نام بھی بدل دیا گیا اور وہ سوامی کہلانے لگے لیکن اُنہیں سب نریندر ہی پکارتے رہے، وویکا نند کا نام اُنہوں نے امریکہ جانے سے پہلے اختیار کیا جس کا ذکر آگے آئے گا لیکن اگلے صفحات میں ہم اُن کا ذکر سوامی وویکا نند ہی کے نام سے کرینگے۔

سنیاسی سوامی

سنیاس دھارن کرنے کے بعد نوجوان سنیاسیوں کے دل میں سچے سادھوؤں کے پُرانے طریقے پر چل کر آزاد زندگی بسر کرنے کی زبردست خواہش پیدا ہوئی وویکانند پر سری رامکرشن کی برادری کے سنگھٹن کی ذمہ داری عائد[1] تھی لیکن وہ خود بھی یہی چاہتے تھے کہ جنگل اور پہاڑ اور شہر اور بیابان کی آزاد فضاؤں میں جہاں اُن کا جی چاہے یا جہاں اُن کے قدم اُنہیں لے جائیں بے روک ٹوک پھرتے رہیں اور زمین اور آسمان کی خاموش وسعتوں کے حصہ دار رہوں، دو سال تک تو اپنے آپ پر جبر کر کے وہ "بارہ نگر" میں مقیم رہے مگر ۱۸۸۸ء میں اُنہوں نے بارہ نگر کی سمادھ کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا، وہ چاہتے تھے کہ اوّل تو اپنی طاقت کا صحیح

---

[1] لگی

اندازہ لگائیں سنیاس کی زندگی کو پوری طرح جانچیں اور سمجھیں، ہر طرح کے خوف[1] وہراس سے نجات پائیں اور دوسرے اپنے چھوٹے سنیاسی بھائیوں میں خوداعتمادی اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی صلاحیت پیدا کریں۔ کلکتہ سے وویکانند بنارس، اجودھیا، لکھنؤ، آگرہ، بندرابن اور ہتھرس گئے ہتھرس کے سٹیشن پر وہاں کے سٹیشن ماسٹر شرت چندر گپتا کو اپنا چیلا بنانا قبول کرلیا شرت چندر بعد میں سوامی سدانند کے نام سے مشہور ہوئے شرت چندر فوراً اپنا گھر بار چھوڑ سوامی جی کے ساتھ ہولئے اور ہمالیہ کے پہاڑوں میں سوامی جی کے ساتھ رہے سوامی جی اِن دنوں دنیا سے بے خبر ہو کر سخت ریاضتوں میں لگے رہتے تھے اُنہوں نے روحانیت کے نئے نئے مراحل طے کرلیے، لیکن آخر کار سوامی جی کی صحت جواب دینے لگی اور دونو واپس "بارانگر" لوٹ آئے۔

ایک سال بعد سوامی جی پھر چل کھڑے ہوئے، اب کی بار اور جگہوں کے علاوہ غازی پور بھی گئے جہاں اُن کی ملاقات "پاوہری بابا" (PARVHARI BABA) سے ہوئی جو سخت ریاضتوں اور یوگ کی مدد سے روحانیت کے اونچے درجے پر پہنچ چکے تھے اس سفر میں بھی سوامی نے بہت سی مفید باتیں سیکھیں لیکن اُن کی دلی خواہش اب بھی یہی تھی کہ بالکل آزاد ہو کر ہمالیہ کی گہرائیوں میں ریاضت کریں اور ایسی روحانی طاقت حاصل کریں جس کی سری رامکرشن کے سونپے ہوئے کام کو پورا کرنے کے لئے سخت ضرورت تھی اس ارادہ سے وہ ۱۸۹۰ء میں پھر "بارانگر" کو چھوڑ کر چلے گئے اور اب کے تو کئی سال تک لاپتہ رہے اُن کے گرو بھائی سوامی اکھنڈآنند جو انھیں دنوں تبت سے ایک بہت ہی مفید

[1] ڈر اور بھے

دَورے سے وَاپس آئے تھے، اِس بار اُن کے ساتھ گئے۔ بنارس سے جاتے ہوئے سوامی جی نے اپنے ایک دوست پرما داس مترا سے جو سنسکرت کے بڑے بھاری عالم تھے کہا "میں اب جا رہا ہوں اور جب تک سماج پر ایک بم کا گولہ بن کر پھٹنے کی طاقت حاصل نہ کرلوں گا، واپس نہ آؤں گا اور جب میں واپس آؤں گا تو میری مقناطیسی شخصیت کی بدولت سوسائٹی ایک وفادار کُتے کی طرح تیرے پیچھے پیچھے پھرے گی"۔

کلکتہ چھوڑ سوامی جی جگہ جگہ گھومتے ہوئے ہمالیہ کے دامن میں پہنچے، یہاں کے دلکش اور نظر افروز نظاروں نے دل کو سرور بخشا، برف پوش چوٹیوں، تیز و تُند ندیوں اور گھنے جنگلوں کی وسیع اور تاروں بھری خاموشیوں کو دیکھ کر امن[1] و انبساط کی لہریں رگ رگ میں دوڑنے لگیں، اِس ماحول میں سوامی جی اور اُن کے گُرو بھائی نے کئی مہینے گزارے اُن کا ارادہ کیدار ناتھ اور بدری ناتھ جانے کا بھی تھا، لیکن قحط کی وجہ سے سرکار نے سڑک بند کر دی تھی اِس لیئے یہ ارادہ ترک کرنا پڑا۔

فروری ۱۸۹۱ء میں سوامی جی اکیلے دو سال کے لیئے ہندوستان بھر کی یاترہ پر چل پڑے، بھگوان کا آسرا لے کر بغیر کسی پروگرام کے جہاں جی آیا رما کیئے، یا یوں کہیئے کہ جہاں بھگوان لے گئے سوامی جی چلے گئے۔ اِس یاترا کے دوران میں سوامی جی کو سب قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑا اور ہر طرح کے لوگوں سے

---

[1] شانتی اور آنند

پالا پڑا۔ کبھی تو لوگ اُنہیں قابلِ نفرت بھکاری سمجھ کر دھتکار دیتے اور کبھی راجے مہاراجے اُن کو اپنا مہمان بناتے، کبھی اُنہیں صرف بھنگی اور چمار ہی اپنے گھر پر ٹھکانہ دیتے اور کبھی اُمرا و وزرا اُنہیں اپنے محلوں میں لے جاتے، سوامی جی نے غریبوں کو اپنایا اور بچھڑے ہوئے لوگوں سے برادرانہ مروت کا اظہار کیا اُن کے دُکھ درد میں شریک ہوئے اُن کے جذبۂ خودداری کو بیدار کیا اور دل ہی دل میں اُن کی غریبی دُور کرنے کا مصمم ارادہ بھی کیا، راجوں مہاراجوں کے یہاں سوامی جی نے انسانی مساوات پر عالمانہ مباحثے کیئے اور اُنہیں عیش وعشرت کے خواب سے بیدار کر کے اُن میں رعایا کی بہی خواہی کے جذبات پیدا کرنے کی کوشش کی اس طرح امیروں کے دل میں انسانی ہمدردی کی جوت کو روشن کیا۔

اپنی اِس یاترا میں سب سے پہلے سوامی جی سُور ماؤں کی سرزمین راجپوتانہ میں گئے وہاں اُن کی مُلاقات چند نہایت بیدار[1] مغز راجوں سے ہوئی۔ الور کے مقام پر مہاراجہ منگل سنگھ نے سوامی جی سے کہا "مہاراج میرا مورتی پوجا پر کوئی وشواس نہیں، دوسرے لوگوں کی طرح میں لکڑی پتھر، مٹی یا دھات کی پُوجا نہیں کرسکتا، کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ مرنے کے بعد دوسری دُنیا میں مورتی پُوجا کرنے والوں کے مقابلے میں میری دُرگتی ہوگی؟" جواب میں سوامی جی نے مہاراجہ کی ایک تصویر جو سامنے دیوار پر لٹک رہی تھی اُتروائی اور اُسے ہاتھ میں لے کر کہنے لگے یہ تصویر کس کی ہے"، مہاراج کے دیوان نے فوراً جواب دیا "مہاراج

---

[1] روشن دماغ۔ جاگرت

کی،" سوامی جی نے کہا "دیوان جی اس تصویر پر تھوک دیجئے" یہ سُن کر سب لوگ غصہ اور خوف سے کانپ اُٹھے، دیوان صاحب پر تو جیسے بجلی گر گئی ہو، کبھی مہاراج کی طرف دیکھتے اور کبھی سوامی جی کی طرف اِدھر سوامی جی متواتر کہے جا رہے تھے۔ "تھوکتے کیوں نہیں تھوکو اس تصویر پر" آخر دیوان صاحب نے ڈرتے ڈرتے کہا "سوامی جی آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں، ہم مہاراج کی تصویر پر تھوک دیں، یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے،" سوامی جی بولے "اچھا مت تھوکو لیکن یہ سوچو تو کہ تمہارے مہاراج اِس تصویر میں خود تو موجود نہیں، یہ تو کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے، اس میں نہ خون ہے نہ ماس، نہ ہڈی پسلی، نہ یہ بول سکتی ہے نہ چل پھر سکتی ہے لیکن تم سب اس پر تھوکنے سے ڈرتے ہو، اِس لیے نا کہ تمہیں اس میں اپنے مہاراج کی جھلک نظر آتی ہے اور تصویر پر تھوکنا گویا مہاراجہ پر تھوکنا ہے" یہ کہہ کر سوامی جی مہاراجہ سے مخاطب ہوئے اور کہا "دیکھئے مہاراج آپ یہ تصویر تو نہیں ہیں لیکن ایک لحاظ سے آپ اِس میں براجمان ہیں اِسی لئے جب میں نے کہا کہ اِس تصویر پر تھوک دو تو آپ کے خادم دنگ رہ گئے۔ اس تصویر میں آپ ہی کی جھلک ہے، اس کو دیکھ کر آپ ہی کی یاد آتی ہے اِسی لئے سب آپ کی تصویر کو عزت سے دیکھتے ہیں عین یہی حال بھگوان کے بھگتوں کا ہے۔ پتھر یا دھات کی مورتیوں میں دیوی دیوتاؤں کو پوجنے والوں کو اپنے بھگوان ہی کی جھلک نظر آتی ہے اور اس طرح وہ اپنے خیال کو بھگوان کے چرنوں میں لگا سکتے ہیں، وہ پتھر یا مٹی یا دھات کی پوجا نہیں کرتے، سُنیئے مہاراج ہر شخص ایک ہی سرو شکتیمان[1] بھگوان کی پوجا[2] کرتا ہے

---

[1] قادر المطلق خدا [2] پرستش

اِس بھگوان کی حقیقت ستیہ چت آنند ہے، جیسی کسی کی بھاونا[1] اور جتنی کسی کی سمجھ ہوتی ہے بھگوان اُسے اُسی روپ میں دکھائی دیتا ہے اور اس کی پریم بھری سچّی پُوجا کو قبول کرکے اُنھیں اپناتا ہے" مہاراجہ نے یہ سُن کر ہاتھ جوڑ دیئے اور کہا "سوامی جی آپ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں، اب تک میں مُورتی پوجا کو سمجھ نہ پایا تھا اب جو آپ کی نظر سے دیکھتا ہوں تو کوئی بھی آدمی ایسا دکھائی نہیں دیتا جو پتھر یا لکڑی یا دھات کو پُوجتا ہو۔

اِس طرح سوامی جی روشنی پھیلاتے ایک مقام سے دوسرے مقام پر نکل جاتے اور اپنی نڈر اور عدیم الثانی[2] مقناطیسی شخصیت کا اثر سب پر چھوڑ جاتے۔ مگر اِس سیاحت میں سوامی جی نے نہ صرف دوسروں کو اُپدیش دیا بلکہ خود بھی بہت کچھ سیکھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مہاراجہ کھیتری جو سوامی جی کو اپنا گرُو دھارن کر چکے تھے، سوامی جی کے ساتھ یاترا میں شامل تھے شام کے وقت مہاراجہ نے اپنے کمپ میں ناچ اور گانے کا انتظام کیا اور سوامی جی کو بھی دعوتِ شمولیت دی۔ سوامی جی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ایک سنیاسی کو راگ رنگ سے کیا تعلق۔ سوامی جی کا پیغام سُن کر گانے والی لڑکی کو بہت رنج ہوا اُس نے سورداس کا بھجن "پربھو میرے اَوگن چت نہ دھرو" گانا شروع کیا اور اس میں اتنا درد بھر دیا کہ ساتھ کے کمپ میں سوامی جی اُسے سُن کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اُن کے دل میں بھگتی کا سمندر[3] لہریں مارنے لگا اِس بھجن نے

---

[1] نیت [2] بے مثال [3] سندیسہ

اُنہیں پھر سے یاد دلائی کہ ایک ہی بھگوان امیر و غریب اور اونچے نیچے سب لوگوں میں جلوہ نما ہے سوامی جی اُٹھے اور گانے کے ہال میں جا بیٹھے بعد میں اِس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا "اِس واقعہ نے میری آنکھیں کھول دیں بھگوان کو سب میں دیکھ کر میں کس طرح کسی کو بُرا بھلا کہہ سکتا ہوں"۔

سوامی وویکانند اس سیاحت کے دوران میں راجپوتانہ، بمبئی، اور جنوبی ہندوستان کے سب تاریخی مقامات سے ہوتے ہوئے رامیشورم پہنچے اور وہاں کنیا کماری گئے اس طرح سے سوامی جی نے تمام ہندوستان کا دورہ کیا اور اُنہیں اپنے دیش کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اس کے مسائل پر غور کرنے کا خوب موقع ملا، اُنہوں نے اِس بات کو خصوصاً نوٹ کیا کہ ہندوستان کے مختلف حصوں کے رسم و رواج میں فرق ضرور ہے لیکن کھانے پینے یا اوڑھنے کے اسلوب[1] و انداز اور وضع[2] قطع کے ظاہری اختلافات[3] کے تلے ہندوستان کی ایکتا کی ایک بے پایاں[4] رَو ہے جس تک پہنچنے پر سب تفرقات[5] مِٹ جاتے ہیں اور اتحاد کی یہ زیریں لہر ہندوستانی مذہب کی رُوحانیت ہے جو ایک برہمن (وحدت الوجود) کے عظیم الشان نظریہ پر جا ختم ہوتی ہے اور جس میں باوجود صدیوں کی سیاسی غلامی کے اب بھی پہلی سی عظمت و شان ہے۔ اس کے ساتھ ہی سوامی جی کو مُلک کی غریبی کا شدت سے احساس ہوا، سری رامکرشن کہا کرتے تھے کہ "رُوحانیت بھوکے پیٹ میں نہیں سما سکتی" سوامی جی نے اب سمجھا کہ

---

[1] طریقے [2] [3] فرق [4] اتھاہ [5] فرق (بھید)

گرُو دیو کا مفہوم کیا تھا اِس دَورہ میں اُنہوں نے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ وہ فارغ البال مغربی ممالک سے اپنے مُلک کی بہبودی کے ذرائع حاصل کریں گے اور اُن کے بدلے وہاں کی بھُوکی رُوحوں کو ویدانت کا جاں بخش پیغام سُنائیں گے اِس فیصلہ کا ذکر اُنہوں نے پہلے پہل مہاراجہ میسور سے کیا بعد میں اپنے گرُو بھائی برہمانند اور توریانند سے فرمایا "میں ملک بھر گھوم آیا ہوں یقین جانو گرُو بھائیو کہ مجھے اپنی آنکھوں سے عوام کی غریبی اور مصیبت دیکھ کر بہت ہی دُکھ ہوا اور میں خوُب رویا میرا عقیدہ ہے کہ جب تک تنگ دستی[1] اور دُکھ درد کو نہ مٹایا جائے مذہب اور آتم گیان کی باتیں کرنا بالکل فضول ہے، میں اپنے دیش باسیوں کی بھلائی اور بہبودی کے لیئے امریکہ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، میرے بھائیو میں اس مذہب کو نہیں سمجھ پایا جس کے سائے میں غریبی بستی ہو، میرا دل اب بہت وسیع ہو گیا ہے اور مجھے دیش بھر کے درد کا احساس ہے"، سوامی توریانند اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہ کہتے کہتے اُن کی آواز بھاری ہو گئی اور اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بہنے لگی اُن کا جسم فرطِ احساس سے کانپنے لگا اور اُن کے چہرے پر درد[2] و کرب کی تصویر کھچ گئی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ خود بھگوان بدُھ کھڑے اپنے خیالات اور الفاظ دُہرا رہے ہیں۔ مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ بنی نوع انسان کا دُکھ درد سوامی جی کے دل کو تڑپا رہا ہے اور علاج کا طالب ہے۔ ساتھ ساتھ اس دل

---

[1] غریبی [2] پیڑ۔ دُکھ۔

سے دُنیا کے ناسُوروں پر مرہم رکھنے کا سامان بھی صوُرت پذیر ہو رہا ہے' سچ تو یہ ہے کہ وویکانند کو بس وہی سمجھ سکتے ہیں جنھوں نے اُن کے طوُفانی جذبات کی جھلک اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو۔"

۱۸۹۲ء کے آخری دِنوں میں سوامی جی کنیا کماری سے مدراس آئے، یہاں آتے ہی بے شمار ملنے والوں نے اُنھیں گھیر لیا، اور اس طرح پہلی بار شہرتِ عامہ نے اُن کے قدم چوُمے بھگوان سری رامکرشن کا پیام پہلے مدراس ہی کے لوگوں نے قبول کیا، یہیں چند روشن طبع[1]، ہونہار اور ذی استعداد[2] جوشیلے نوجوانوں کا ایک گروہ سوامی جی کی پیروی کرنے لگا آخرکار اِن ہی کی بدولت سوامی جی کے "پارلیمنٹ[3] آف ریلیجنز" میں شامل ہونے کے ارادوں کو عملی جامہ پہنایا گیا، مارچ اور اپریل ۱۸۹۳ء میں سوامی جی کے چیلوں نے روپیہ پیسہ کا انتظام کر لیا اور سوامی جی کے امریکہ جانے کی تیاریاں مکمل کر لیں، لیکن ہندوستان چھوڑنے سے پہلے سوامی جی مہاراجہ کھیتری کی التجا پر کچھ دن کے لیئے کھیتری گئے، وہاں مہاراجہ کے کہنے پر اُنھوں نے اپنا وہ سنیاسی نام (وویکانند) اختیار کیا جس سے وہ تمام دُنیا میں مشہور ہوئے۔

۳۱ مئی ۱۸۹۳ء کو سوامی وویکانند بمبئی سے جہاز پر امریکہ روانہ ہو گئے

---

[1] بیدار مغز، جاگرت [2] ہمتی

[3] PARLIAMENT OF RELIGIONS

نئی دُنیا میں

سوامی وویکا نند بحرالکاہل کے رستے امریکہ گئے، راستے میں لنکا، پیانگ، سنگاپور، ہانگ کانگ، کینٹن[1] اور ناگاسکی گئے، ناگاسکی سے برّی راستے سے اوساکا کی اوٹا اور ٹوکیو دیکھتے ہوئے یوکوہامہ پہنچے جہاں سے وہ پھر جہاز پر سوار ہو گئے، اِس سفر میں جہاں سمندر کی آسمان سے ملتی ہوئی وسعت، لہروں کے اُتار چڑھاؤ کھلی اور جاں بخش ہوا، رات کی وسیع اور خاموش تاروں بھری تنہائی اور بے فکری کے ماحول نے سوامی جی کی طبیعت کو سکون بخشا، وہاں اُن کو مختلف قوموں کے لوگوں کی زندگی اور طرزِ معاشرت[2] کے مطالعہ کا ایک نایاب[3] موقع بھی دستیاب ہوا۔ چین اور جاپان کے مندروں میں ہندی تہذیب اور مذہب کے بہت سے آثار اُن کو ملے۔ چین میں سنسکرت کے مسودے پائے تو جاپان میں بنگالی میں لکھے ہوئے سنسکرت کے منتر، یہی نہیں بلکہ چین اور جاپان میں تو تقریباً ہر جگہ قدیم ہندوستان کے اثر اور ایشیا کی مذہبی یگانیت کا کوئی نہ کوئی ثبوت ملتا نظر آیا۔

سوامی جی کا سمندری سفر وینکوور[4] جا کر ختم ہوا جہاں سے وہ بذریعہ ریل

---

[1] CEYLON, PENANG, SINGAPORE, HONG KONG, CANTON NAGASAKI, OSAKA, KYOTA, TOKYO, YOKO HAMA.

[2] رہنے کا طریقہ۔ [3] قیمتی

[4] VANCOUVER

شکاگو پہنچے، یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اول تو "پارلیمنٹ آف ریلیجنز"[1] کے افتتاح میں (جو ستمبر میں ہونا تھا) تقریباً دو مہینے باقی تھے، دوسرے اِس کانفرنس میں ڈیلیگیٹوں کے علاوہ کسی کو شرکت کی اجازت نہ تھی اور تیسرے یہ کہ ڈیلگیٹ مقرر ہونے کا وقت بھی گزر چکا تھا۔ سوامی جی کو یہ جان کر سخت افسوس ہوا، ایک تو وہ ہندوستان سے بہت پہلے آگئے تھے، دوسرے وہ کسی مذہبی جماعت کے نمائندہ ہو کر نہیں آئے تھے اور سب سے بڑی مشکل یہ ہوئی کہ پیسے ختم ہو رہے تھے اُنہوں نے اور رقم کے لیئے مدراس تار بھیجا اور ساتھ ہی ایک مذہبی جماعت کی نمائندگی کی درخواست داخل کر دی، لیکن یہ درخواست تو فوراً ہی رد کر دی گئی۔ اِن مشکلات سے نہ گھبراتے ہوئے سوامی جی شکاگو سے بوسٹن روانہ ہو گئے جہاں خرچ کم ہونے کی اُمید تھی، خدا کی قدرت[2] دیکھئے ریل کے سفر کے دوران میں ان کی ملاقات ایک متمول[3] خاتون سے ہوئی جو اُن کی پُر اقبال شخصیت اور روشن دماغ گفتگو سے اس قدر متاثر ہوئی کہ اُنہیں اپنے یہاں ٹھہرنے کے لیئے مدعو کیا اور اُن کا تعارف ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جے، ایچ، رائٹ سے کرایا۔ سوامی جی اور پروفیسر رائٹ میں ہر طرح کے موضوعات پر بحث ہوئی اور پروفیسر صاحب اُن کی قابلیت کے قائل ہو گئے اور بضد ہوئے کہ وہ "پارلیمنٹ آف ریلیجنز" میں ہندو مت کی نمائندگی کریں اُنہوں نے کہا بس یہی ایک طریقہ ہے جس سے آپ کا تعارف امریکن قوم سے ہو سکتا ہے سوامی جی نے اپنی مشکلات کا ذکر

---

[1] PARLIAMENT OF RELIGIONS

[2] بھگوان کی لیلا [3] امیر عورت

کیا اور کہا کہ "میرے پاس نمائیندگی کے کوئی تصدیقی کاغذات نہیں ہیں" پروفیسر نے جواب دیا "آپ سے نمائیندگی کے حق کا ثبوت مانگنا عین ایسے ہے جیسے سُورج سے چمکنے کے حق کا"۔

پروفیسر رائیٹ کے دوست ڈاکٹر بارو ز[1] ڈیلی گیٹوں کی چُناؤ کمیٹی کے صدر تھے اُنہوں نے فوراً ایک خط اُنہیں بھیجا جس میں لکھا تھا کہ اگر ہمارے سب عالم و فاضل پروفیسروں کو یکجا کر دیا جائے تو بھی یہ شخص علم اور لیاقت میں اُن سے بازی لے جائے گا" اس کے ساتھ ہی پروفیسر نے سوامی جی کو شکاگو کا ٹکٹ بھی پیش کیا اور کمیٹی کے دوسرے ممبران کے نام تعارفی خطوط بھی دیئے۔ سوامی جی بھگوان کی کرپا کو دیکھ کر بہت ہی مسرور ہوئے اور شکاگو روانہ ہو گئے۔

شکاگو سٹیشن پر پہنچ کر دیکھا کہ کمیٹی کا پتہ کہیں کھو گیا ہے، سب کیئے کرائے پر پانی پھر گیا، اب کہاں جائیں اور کیونکر، کالے آدمی سے کوئی بات تک بھی تو نہیں کرتا تھا اُنھیں پارلیمنٹ آف رلیجنز کون لے جائے گا۔ تھک کر رات تو سٹیشن کے ایک کونے میں ایک خالی بکسے میں بسر کر گزاری صُبح ہوئی تو دربدر پھر کر مانگنا شروع کیا کہ کسی طرح پیٹ تو بھرا جائے لیکن شہر کے اعلیٰ طبقہ کے لوگوں سے سخت کلامی[2] کے سوا کچھ نہ ملا آخر تکان سے چُور ہو کر سڑک کے کنارے بیٹھ گئے اور اپنے آپ کو بھگوان کی مرضی پر چھوڑ دیا عین اسی وقت سامنے کے مکان کا دروازہ کھلا اور ایک معزز خاتون نیچے اُتریں اور آ کر نہایت نرمی اور عزت سے

---

[1] DR. BARROWS

[2] جھاڑ۔

پوچھا کیا آپ پارلیمنٹ آف ریلیجنز کے نمائندہ ہیں" سوامی جی نے اُنھیں اپنی مشکلات سے آگاہ کیا، وہ خاتون اُنہیں اپنے گھر لے گئیں۔ کھانا کھلایا اور پھر خود اُن کو پارلیمنٹ آف ریلیجنز کے دفتر تک ساتھ لے گئیں سوامی جی نے خاتون کا تہِ دل سے شکریہ ادا کیا، یہ خاتون مسز جارج ڈبلیو ہیل[1] تھیں جن کے خاوند اور بچے بھی اس دن کے بعد سوامی جی کی دوستداری میں لگ گئے۔

پارلیمنٹ آف ریلیجنز کے دفتر پہنچنے کے بعد سوامی جی کی سب مصیبتیں کٹ گئیں، مشرقی نمائندوں کے ساتھ اُن کی رہائش وغیرہ کا انتظام کر دیا گیا، جلد ہی اُن کی واقفیت اُن سب مشہور و معروف لوگوں سے ہو گئی جو وہاں آئے ہوئے تھے اس طرح دُنیا کے مذہبی لیڈروں کے اِس عظیم الشان جمگھٹے میں سوامی جی بھی شامل ہو گئے، بھگوان کی دیا کا یہ رنگ دیکھ کر اُن پر مستی سی چھا گئی اور اُن کا سر سری رامکرشن کے چرنوں میں جھک گیا، آخر اُنھیں کا تو سونپا ہوا کام تھا جو اَب پُورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔

پارلیمنٹ آف ریلیجنز

پارلیمنٹ آف ریلیجنز کا اجلاس سوموار گیارہ ستمبر ۱۸۹۳ء کو کولمبس ہال[2] میں شروع ہوا، اِس ہال میں دُنیا بھر کے کروڑوں باشندوں کے مذہبی ڈیلیگیٹ جمع تھے جو اپنے اپنے مذہب اور فرقے کی نمائندگی کر رہے تھے، ہال کے عین درمیان

---

[1] MRS. GEORGE W. HALE

[2] COLUMBUS HALL

رومن کیتھلک کے کارڈینل گبنز[1] بیٹھے تھے اُن کے دائیں بائیں مشرقی ڈیلیگیٹ پرتاپ چندر موجمدار اور نگارکر تھے جنہیں برہمو سماج نے بھیجا تھا۔ لنکا کے بدھ مت کی نمائندگی دھرم پد کر رہے تھے مسز اینی بسنٹ اور اُن کے دوساتھی گاندھی (مہاتما گاندھی کے ایک دُور کے رشتہ دار) اور چکرورتی جین دھرم اور تھیوسافیکل سوسائٹی کی طرف سے گئے ہوئے تھے ان سب کے درمیان سوامی وویکانند بھی بیٹھے تھے، اُن کی شخصیت کا رُعب اور چہرے کا جلال[2] سب کے لیئے باعثِ کشش[3] ہو رہا تھا۔

جلسے کی کارروائی شروع ہوئی۔ ڈیلیگیٹ باری باری اُٹھے اور مختصر سی تقریریں ہر ایک نے اپنا اپنا تعارف کروایا۔ سوامی جی کئی گھنٹوں تک اپنی جگہ سے نہ ہلے، آخر بعد دوپہر صدر کے اصرار پر سوامی جی حاضرین کے سامنے آئے، اُن کا چہرہ رُوحانی جلال سے دمک رہا تھا۔ اُنہوں نے ایک نظر میں تمام مجلس کا جائزہ لیا اور پھر بولنا شروع کیا تو ایسا معلوم ہوا کہ چمکتے ہوئے شعلے ہیں جو اُن کے مُنہ سے جھڑ رہے ہیں ابھی اُن کی زبان سے القاب کا فقرہ "امریکہ کی بہنو اور بھائیو" ہی نکلا تھا کہ سینکڑوں کھڑے ہو کر داد دینے لگے اور ہال تالیوں سے گونج اُٹھا، سوامی جی نے تکلفاتی فقروں کو ترک کر کے چار ہی لفظوں میں سب لوگوں کا دل جیت لیا جس سپرٹ کی سامعین[4] کو تلاش تھی وہ اُنھیں سوامی جی کے اِن چار لفظوں میں مل گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پارلیمنٹ پاگل ہو گئی ہے

---

[1] CARDINAL GIBBONS

[2] چمک [3] اپنی طرف کھینچ رہا تھا [4] سننے والے

پُورے دو منٹ تک سوامی جی کچھ نہ کہہ سکے، جب ہال میں پھر خاموشی چھاگئی تو اُنہوں نے اپنی چھوٹی سی تقریر شروع کی جس نے تمام دُنیا میں ایک طوفان برپا کردیا نئی دُنیا (امریکہ) کی نوجوان قوم کو پُرانی دُنیا (ایشیا) کے سب سے قدیم ملک ہندوستان کا سلام سنیاسیوں کی طرف سے دیتے ہوئے سوامی جی نے بتایا کہ ہندو مذہب تمام مذاہب کا سرچشمہ ہے، یہی ایک مذہب ہے جو نہ صرف کسی سے بیر رکھنا نہیں سکھاتا بلکہ ہر مذہب کو سچا سمجھتا ہے۔ ہندو مذہب کسی بھی مذہب کی نفی[1] نہیں کرتا بلکہ وہ سب مذاہب کی تصدیق[2] کرتا ہے کیونکہ ہر ہندو کا اعتقاد[3] ہے کہ بھگوان تک پہنچنے کے بہت سے راستے ہیں اور سب کے سب اس تک پہنچانے کی اہلیت رکھتے ہیں مذہبی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے سوامی جی نے بتایا کہ "جیسے ندیاں مختلف مقامات سے نکل کر مختلف علاقوں سے گزرتی ہوئی مل جاتی ہیں اسی طرح اے میرے بھگوان سیدھے یا ٹیڑھے جو بھی رستے تیرے بندے اپنی اپنی پسند سے یا کرم اور جنم سے مجبور ہو کر اختیار کرتے ہیں، سب بالآخر تجھ تک پہنچ جاتے ہیں" پھر سوامی جی نے گیتا سے بھگوان کرشن کے الفاظ کو دُہرایا اور کہا "جو کوئی بھی میری شرن میں آتا ہے میں اُسے قبول کرتا ہوں، جس رنگ میں کوئی مجھے دیکھتا ہے میں اُسی رنگ میں اُسے ملتا ہوں، سب آدمی اپنے اپنے مختلف راستوں سے مجھ تک آنے میں کوشاں ہیں، سب راستوں کی منزل میں ہی ہوں"۔

---

[1] بُرائی، غلط ثابت کرنا [2] سچا مانتا ہے
[3] وشواس

سوامی جی کی تقریر بہت مختصر تھی لیکن اس کی جہانگیر سپرٹ، فراخ دلی، اور سچائی نے تمام سامعین کے دل میں گھر کرلیا، وہاں دوسرے ہندو ڈیلیگیٹ بھی موجود تھے لیکن وہ کسی خاص فرقہ یا سوسائٹی کی نمائندگی کررہے تھے صرف سوامی ووِیکانند نے ہی تمام مذاہب کی بنیادی سچائی پر زور دیا اور کہا کہ ہندوستان کا خاص پیغام[1] یہی ہے کہ سب مذاہب کا مقصد ایک ہی ہے اور وہ ہے خُدا کو پانا، اور ہندو دھرم یعنی ویدانت ہی ایک ایسا مذہب ہے، جو سب مذاہب کو اپنے ہاں جگہ دیتا ہے۔ اپنی تقریر میں اُنہوں نے کہا "اگر کبھی تمام دُنیا میں کوئی ایک عالمگیر مذہب ہونا ہے تو وہ وہی مذہب ہو سکتا ہے جس کا کسی خاص مقام یا وقت سے کوئی تعلق نہ ہو جو کسی بھی طرح محدود نہ ہو جس کا خُدا سب کا خدا ہو جس کے سُورج کی روشنی بھگوان کرشن اور یسوع مسیح دونوں کے پُجاریوں کو یکساں طور پر حاصل ہو جس کے پہلو میں سنتوں اور سادھوؤں کے لیئے ہی نہیں بلکہ گُنہ گاروں کے لیئے بھی جگہ ہو، جو براہمن یا بودھ یا عیسائی یا مسلمان کا مذہبِ خصوصی نہ ہو، بلکہ ان سب کا حامل ہو، جس میں نئے خیالات اور ارتقا کی گنجائش ہو جس کے وسیع دائرے میں ہر انسان شامل ہو سکتا ہو، خواہ وہ ایک جنگلی وحشی ہو یا انسانیت کے اونچے سے اونچے درجے پر پہنچا ہوا آدمی یا خُدا رسیدہ مجذوب[2] ایسا مذہب کبھی اس بات کی اجازت نہیں دے گا کہ مذہب کے نام پر انسان انسان کے خوُن کا پیاسا ہو، ایسے مذہب کا مقصد اس

---

[1] سندیسہ۔
[2] بھگوان میں لین سنت

یزدانیت[1] کو بیدار کرنا ہوگا جو ہر مرد و زن کے دل میں جاگزیں[2] ہے دُنیا کی سب قوموں کو ایسے مذہب کی مُدت سے تلاش ہے، اگر آپ مذہب کا سچا مفہوم[3] سمجھتے ہیں تو کسی عیسائی کو ہندو یا بُدھ کو عیسائی بننے کی ضرورت نہیں سب مذہبوں کو اپنی اپنی انفرادیت کو قائم رکھتے ہوئے ایک دوسرے کی حقیقت کو سمجھنا ہے، اور اپنانا ہے تاکہ غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہ رہے اور ہر شخص اپنی اپنی ہمت اور اپنے اپنے خصوصی حالات کے مطابق روحانی ترقی کرتا چلا جائے۔ پارلیمنٹ آف ریلیجنز نے ثابت کر دکھایا ہے کہ روحانیت، پاکیزگی اور انسانی ہمدردی کسی خاص مذہب کے حصّے میں نہیں آئی، ہر مذہب اور ہر قوم میں بڑے بڑے مہاتما پیدا ہوئے ہیں، یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے کون ہے جو دعوےٰ کر سکتا ہے کہ بس اُسی کا مذہب ہی سب پر حاوی ہوگا، اگر کوئی ایسا شخص ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ اس کے مذہب کے سوا باقی تمام مذاہب کو مٹایا جا سکتا ہے تو وہ شخص رحم کے قابل ہے، ایسے شخص کو آگاہ کر دینا چاہیئے کہ اب وہ وقت آگیا ہے جب ہر مذہب کے جھنڈے پر یہ الفاظ ہونے چاہیئں "ایک دوسرے کی مدد کرو، لڑو نہیں" "ایک دوسرے کی باتوں کو اپناؤ، جھگڑو نہیں" "شانتی اور امن کی کوشش کرو، لڑائی اور فساد سے بچو"۔

اِن الفاظ کا امریکن پبلک پر گہرا اثر ہوا، کہنے کو تو سوامی جی نے پارلیمنٹ آف ریلیجنز کے نمائندوں کے سامنے تقریر کی تھی لیکن دراصل اُن کا خطاب امریکی قوم سے تھا۔ امریکی اخبار اُن کے نام سے گونج اُٹھے، مشہور سے مشہور اور قدامت

---

[1] پرماتما کی شکتی [2] براجمان [3] مطلب، ارتھ

پسند اخباروں نے اُنھیں پیغمبر کا لقب دیا، "نیویارک ہیرلڈ" نے لکھا کہ "اِس میں کوئی شک ہی نہیں ہے کہ پارلیمنٹ آف رلیجنز میں سب سے قابل اور عظیم الشان ہستی دویکانند کی ہے، اُن کی تقریر سُننے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ ہندوستان گہوارۂ[1] علم ہے اور اس جیسے مُلک میں مشنری وغیرہ بھیجنا سراسر کم فہمی[2] کی نشانی ہے ہمیں ہندوستان سے کچھ سیکھنا ہے اُسے کچھ سکھانا نہیں۔"

سوامی جی کی شاندار کامیابی کی خبر آہستہ آہستہ ہندوستان میں بھی پہنچ گئی، مدراس سے الموڑہ اور کلکتے سے بمبئی کے اخباروں اور رسالوں میں سوامی جی کی کامیابی کا پُورا پُورا حال چھپا، سری رامکرشن مٹھ کے سنیاسیوں کی خوشی کی تو کوئی انتہا[3] نہ رہی جب اُنہوں نے دیکھا کہ اُن کے لیڈر نے نئی دُنیا میں طوفان برپا کر دیا ہے، کلکتہ کے شہریوں نے ٹاؤن ہال میں ایک میٹنگ کی جس میں سوامی جی کا شکریہ ادا کیا گیا کہ اُنہوں نے ہندوستان کے نام کو چار چاند لگائے اور امریکی قوم کو مبارک پیش کی جس نے سوامی جی کی اتنی عزت کی اس طرح ہندوستان کے کونے کونے میں دویکانند کا نام پھیل گیا اور ایک گمنام سنیاسی یکدم دُنیا کی ایک قابل قدر ہستی بن گیا جس سے بہت سی اُمیدیں وابستہ[4] ہوگئیں اور جس پر سارے جہان کی آنکھیں لگ گئیں۔

شہرت اور عزت کے اِس ریلے میں بہہ جانا بہت ممکن تھا لیکن سوامی جی ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے دیش اور اپنے فرائض کو نہ بھُولے۔ پارلیمنٹ آف رلیجنز کی

---

[1] دِنیا کا گھر [2] بے سمجھی [3] حد
[4] بندھ گئیں۔

تقریر کے بعد امریکہ کے ایک متمول اور برگزیدہ شہری نے اُنھیں اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی، ایسا آرام دہ رہائشی انتظام اُن کے خواب میں بھی نہ آیا تھا، مگر سوامی جی کو یہ شاہانہ طرزِ رہائش تسکین نہ پہنچا سکی بلکہ نرم نرم گدیلے اُن کے لیئے کانٹے بن کر رہ گئے۔ وہ کیونکر ایسے بستر پر آرام کی نیند سو سکتے تھے جب ہندوستان میں کروڑوں لوگوں کو بورِیا بھی نصیب نہیں ہوتا سوامی جی کی آنکھ پل بھر کو بھی نہ لگی۔ آخر بستر سے اُٹھ کر فرش پر لیٹ گئے، دل میں درد بھرا تھا، آنکھوں میں نیند کہاں آتی بار بار جگت ماتا کو پکار کر کہنے لگے" ماتا مجھے عزت اور شہرت کی چاہ نہیں، جب میرے دیش میں غریبی کا تسلط[۱] ہے، ہندوستان کے عوام کی حالت کون سُدھارے گا، اُنھیں کون دو وقت پیٹ بھر کر روٹی دے گا۔ ماتا مجھے میرا رستہ دکھاؤ اور بتاؤ کہ میں کس طرح اِس کام کو سرانجام دوں"۔

اِس طرح کے خیالات کا اظہار سوامی جی نے اپنے خطوط میں کیا جو اُنہوں نے اپنے دوستوں اور چیلوں کو لکھے وہ لکھتے ہیں" نوجوانو، دیش سیوا کے لیئے کمر کس لو، مجھے بھگوان نے اِسی کام کے لیئے بھیجا ہے، دیش کی اُمیدیں تم جیسے لوگوں سے وابستہ ہیں۔ جن میں عاجزی[۲] بھی ہے اور یقین بھی، غریبوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی تکالیف کو محسوس کرو اور پرماتما کی مدد پر پورا وشواس رکھو، یقیناً کامیابی ہماری ہوگی۔ میں ایک دُکھیا دل کو ساتھ لیئے نصف دُنیا کا سفر کر کے اس نئی دُنیا میں اپنے دیش کے لیئے امداد حاصل کرنے آیا ہوں، بھگوان ضرور میری مدد

۱؎ غلبہ۔

۲؎ نمرتا۔

کریں گے، اگر میں سردی اور بھوک سے مر بھی جاؤں تو بھی میری طرف سے ان پڑھ غریبوں اور مظلوموں کی حالت سدھارنے کی ذمہ داری تم سب پر عاید ہوگی، بھگوان کے چرنوں میں سر جھکاؤ اور اپنی زندگی کی قربانی دے دو اور اِسے تیس کروڑ غریبوں کی سیوا میں ارپن کر دو، بھگوان کی دیا سے ہم ضرور کامیاب ہونگے، مفلسی سے اس جنگ میں ہم ایسے ہزاروں کام آئیں گے لیکن ہزاروں اور اُن کی جگہ لینے کے لیئے تیار ملنے چاہیئں، زندگی کی کچھ پرواہ نہیں، موت کا کوئی ڈر نہیں بھگوان کی جے کے نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑھتے چلو، پیچھے مڑ کر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں کہ کون گرا، بس بڑھتے چلے جاؤ۔"

ظاہر ہے کہ آرام و آسایش کے سب سامان مہیا ہونے پر بھی سوامی جی اپنے مقصد کو نہیں بھولے وہ چاہتے تھے کہ تمام دُنیا کی ہمدردی ہندوستان کے ساتھ ہو جائے اور نہ صرف ہندوستان ہی کی بلکہ دُنیا بھر کے غریبوں اور مظلوموں کی بھلائی ہو۔ اِسی مقصد کو نظر میں رکھتے ہوئے اُنہوں نے ایک لیکچر ادارے کے تحت امریکہ میں دورہ کر کے لیکچر دینا منظور کر لیا، اِس دورہ میں اُن کو ہندوستان کی تہذیب عظمت اور روحانیت کا حال امریکہ کے لوگوں کو بتانے کا خوب موقع ملا۔

امریکی لیکچر

سوامی جی کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ جس ادارے کے تحت وہ لیکچر دے رہے تھے وہ اُن کو دھوکا دے کر اُنہیں اپنی آمدن کا ذریعہ بنا رہا تھا اُنہوں نے اس ادارے سے اپنا تعلق توڑ لیا اور بغیر کسی انجمن یا ادارے کی وساطت سے

تقاریر[1] کا سلسلہ شروع کر دیا، اِن تقریروں میں نہ صرف ویدانت کے فلسفہ کی تشریح کی جاتی تھی بلکہ بھگتی رس بھی پُورے جوش کے ساتھ اُمڈآتا تھا۔ اور سامعین کے دل و دماغ پر سوامی جی پُورے طور پر اثرانداز ہوتے تھے۔

۱۸۹۴ء کے موسمِ سرما کے شروع میں سوامی جی واپس نیویارک پہنچے، اب تک نیویارک سے سوامی جی کا تعلق محض اتفاقی رہا تھا اور اُنہیں کوئی خاص تعمیری کام کرنے کا موقع نہیں ملا تھا اب کے جو اُن کو "بُروکلن اتھیکل الیسوسی ایشن"[2] نے لیکچر دینے کی دعوت دی تو اُنھوں نے اُسے فوراً قبول کر لیا، اِن لیکچروں کا نتیجہ سوامی جی کے اندازہ کے مطابق نکلا، جلد ہی سوامی جی کے گرد ایسے لوگ جمع ہو گئے جو سچے دل سے رُوحانی ترقی کے خواہاں تھے اور سوامی جی سے سبق لینے کے خواہش مند تھے سوامی جی نے لیکچروں اور چھوٹی چھوٹی تقریروں سے تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے خاص پیرو کو ہر روز عملی ہدایات دینے لگے جو گیان یوگ اور راجہ یوگ کے اصولوں پر مبنی ہوئی تھیں۔

اِن خواصین میں مسز اول بُل، ڈاکٹر ایلن ڈے، مِس ایس ای، والڈو، پروفیسر وائی مین، پروفیسر رائٹ اور ڈاکٹر سٹریٹ کے نام قابلِ ذکر ہیں[3]۔ اِن کے

---

[1] لیکچر۔

[2] BROOKLYN ETHICAL ASSOCIATION

[3] MRS. OLE BULL, DR. ALLAN DAY, MISS S.E. WALDO; PROF. WYMAN, PROF. WRIGHT, DR. STREET

علاوہ بھی بہت سے مشہور پادری اور دوسرے بڑے بڑے لوگ سوامی جی کے پاس آتے تھے مسٹر اور مسز فرانسس لیگٹ اور مس میکلائیڈ[1] اُن کے دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔

جون ۱۸۹۵ء تک سوامی جی نے اپنے تعمیری کام کی بُنیادیں مضبوط کر لیں اور راجہ یوگ پر اپنا مشہور مضمون مس والڈو کو جو بعد میں سسٹر ہری داسی کے نام سے مشہور ہوئیں لکھوا دیا۔ یہ مضمون امریکہ کے بڑے بڑے ماہرانِ نفسیات خصوصًا ولیم جیمز نے بہت پسند کیا۔ اب سوامی جی کی مالی مشکلات بھی مِٹ چکی تھیں امریکہ کے بہت سے متمول لوگوں سے اُن کے پیرووں نے کافی روپیہ اکٹھا کر لیا۔ یہ سب روپیہ سوامی جی نے اپنے کام میں لگا دیا، اگرچہ اس عرصہ میں سوامی جی نے دن رات ایک کرکے اپنے آپ کو بالکل تھکا دیا تھا۔ لیکن اُنہیں یہ دیکھ کر تسلی ہوئی کہ ویدانت کے لازوال سناتن دھرم کا امریکہ بھر میں پرچار ہونے لگا، یہاں تک کہ ویدانت کا حوالہ دیئے بغیر دوسرے مذہبوں کے لوگ بھی ویدانت کے فلسفہ کی تائید کرنے لگے۔

کام کی زیادتی کی وجہ سے سوامی جی کا جسم بالکل ٹوٹ چکا تھا اُن کی ایک شاگرد مس ڈچر[2] نے سینٹ لارنس کے جزیرہ تھاؤزنڈ آئیلینڈ پارک[3] میں اپنی ایک کوٹھی سوامی جی اور اُن کے ساتھیوں کو پیش کی، یہ کوٹھی آرام کے لیئے

---

[1] MRS. FRANCES LEGGLET, MISS MACLEOD.

[2] MISS DUCHER

[3] THOUSAND ISLAND PARK ST. LAWRENCE

نہایت ہی موزوں تھی، سامنے دریا لہریں مارتا تھا دُور دراز تک سوا پرندوں
کے چہچہانے کے کوئی آواز سُنائی نہیں دیتی تھی۔ چاند کی نرم نرم کرنیں اور بھی سماں
باندھ دیتی تھیں، اِس جادو کی کُٹیا میں سوامی جی اور اُن کے شاگردوں نے سات
خوشگوار ہفتے بسر کئے اور اس طرح اِن خوش نصیب شاگردوں کو سوامی جی کے بہت
قریب آنے اور اُن کے رُوح بخش الفاظ سُننے کا نایاب موقع ملا۔ اتفاق کی بات
ہے کہ سوامی جی کے پاس اس وقت بارہ شاگرد تھے، اُن میں سے دو نے تو سوامی
جی کا آخری دم تک ساتھ دیا، ایک تھیں مِس گرین سٹیڈل[1] جو بعد میں سسٹر کرسٹین
کے نام سے مشہور ہوئیں اور دوسرے نوجوان انگریز مسٹر جے جے گڈون[2] جنہوں نے اپنی
ساری زندگی سوامی کی سیوا میں ارپن کر دی اور بطور سکریٹری کے اُن کے ساتھ رہے
اُنہیں کی بدولت سوامی جی کے لازوال الفاظ دُنیا کو دستیاب ہوئے۔

اِس جزیرہ میں قیام کے عرصہ میں سوامی جی کی طبیعت خوب زوروں پر تھی
اُنہوں نے ہر قسم کے تاریخی فلسفیانہ اور مذہبی موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا
لازوال حقیقت کے ہر پہلو پر اُن کی باتیں الہام کا درجہ رکھتی ہیں ہر بات سے رُوحانی
اسرار[3] کا انکشاف ہوتا ہے کیوں نہ ہو جس ماحول میں سوامی جی نے یہ سات ہفتے گزارے
وہ دکشینیشور کے اُس پُرنشاط[4] و پُرکیف[5] رُوحانی ماحول سے مُناسبت رکھتا ہے جس میں
سری رامکرشن نے اپنے بھگتوں کو پرماتما سے ملنے کا راستہ بتایا تھا اور اُنھیں
پربھو ملن کے لیے بے تاب کر دیا تھا۔

---

[1] Miss GREENSTIDEL, SISTER CHRISTINE [2] J. J. GOODWIN
[3] راز کھلتے ہیں۔ [4] خوشیوں سے بھرپور [5] مستی سے بھرا ہوا

سوامی جی کی اِن رُوح[1] خیز باتوں کا اندازہ اُن کی کتاب "الہامی[2] باتیں" سے لگ سکتا ہے جس کو مِس والڈو نے بہت محنت اور جاں فشانی سے تیار کیا، سوامی جی کی زندہ جاوید نظم[3] "سنیاسی کا گیت" بھی اِس جزیرہ کی خاموش فضاؤں میں نازل[4] ہوئی۔

اِس جزیرہ سے واپسی پر سوامی جی نیویارک پہنچے جہاں سے وہ ستمبر ۱۸۹۵ء کے آخر میں انگلینڈ کے لیئے روانہ ہوگئے تاکہ جو پیام وہ امریکہ کو دے چکے تھے وہاں بھی سُنایا جائے اُن کی غیر حاضری میں اُن کے پیرو امریکہ میں ویدانت کے پرچار کا کام چلاتے رہے لیکن اس کام کو اور بھی مضبوط کرنے کے لیئے اُنھیں چند ہی ہفتوں میں امریکہ واپس آنا پڑا۔ فروری ۱۸۹۶ء میں اُنھوں نے پبلک لیکچروں کا سلسلہ بند کر دیا۔ ویدانت کی تشریح و ترویج کے لیئے ایک سوسائٹی قائم کر دی اور اپنے خیالات کو کتابوں کی صورت میں شائع شروع کر دیا، اِس طرح نیویارک کی ویدانت سوسائٹی[5] وجود میں آئی چونکہ ویدانت کسی مذہب کی تردید نہیں، بلکہ ہر مذہب کی تصدیق کرتا ہے، اِس لیئے اس سوسائٹی کا بنیادی اُصول سب مذاہب کی حقیقت کو قبول کرنا تھا، اِس کا مقصد ویدانت کے اُصولوں کو عوام تک پہنچانا اور ہر مذہب اور ملّت کے لوگوں کے لیئے قابلِ عمل بنانا تھا۔ اِس سوسائٹی کے پہلے صدر مسٹر فرانسس ایچ لیگٹ مقرر ہوئے۔ اس کے ممبر "ویدانتی" کہلانے لگے۔ یہ لوگ باقاعدہ مقررہ اوقات پر جمع ہوتے اور باضابطہ مل کر ویدانت کا مطالعہ اور پرچار کرتے،

---

[2] INSPIRED TALKS

[1] آتما کو جگا دینے والی [3] امر [4] لکھی گئی

[5] THE VEDANTA SOCITY OF NEWYORK

سوامی جی کے تین شاہکار "راجیہ یوگ" "کرم یوگ" اور "بھگتی یوگ" اِس سوسائٹی نے کتابی صورت میں شائع کیئے اور امریکن علماء اور مذہبی لیڈروں نے بڑے شوق سے اُنھیں پڑھا۔

اِس سوسائٹی کو قائم کرنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ اِس کی وساطت سے مشرق و مغرب میں تبادلۂ خیالات کا ایک ذریعہ پیدا کیا جائے۔ سوامی جی اپنے مَن میں ٹھان چکے تھے کہ جو کام اُنہوں نے شروع کیا ہے وہ باقاعدہ جاری رہے اور اِس مقصد کے لیئے اُن کے دوسرے گرُو بھائی امریکہ آئیں اور امریکن اور انگلش ویدانتی ہندوستان جائیں اور مغربی تہذیب کی خوبیوں سے ہندوستان کو آگاہ کریں ہندوستانی سنیاسی تو رُوحانیت کی تعلیم دیں اور مغربی عالم مادی ترقی کی راہیں بتائیں اور ہندوستانیوں کو عمل کی قدر و قیمت سمجھائیں، سائنس، صنعت و حرفت[۱] اقتصادیات[۲] اور سوشیالوجی، طرزِ نظام[۳] اور باہمی امداد کے متعلق پس ماندہ[۴] ہندوستان کو آگاہ کریں۔ سوامی کا کہنا تھا کہ ہندوستان کو ترقی کے لیئے عمل اور ہمت درکار ہے اور مغرب کو امن و آشتی کے لیئے فلسفہ اور رُوحانیت کی ضرورت ہے، مشرق کی خاموش خودجوئی[۵] اور مغرب کی شوریدہ خودنمائی[۶] دونوں کے لیئے ضروری ہے کہ مِل کر ایک نئے زمانے کا آغاز کریں۔

سوامی جی کی قابلیت اور اُن کی عالمگیر فلاسفی کی امریکہ میں اتنی دھاک بیٹھ گئی کہ ہارورڈ یونیورسٹی نے اُنھیں مشرقی فلاسفی کی پروفیسری پیش کی۔ اِسی

---

۱ ادیوگ ۲ ایکنامکس ۳ کاروبار چلانے کے طریقے ۴ بچھڑے ہوئے ۵ اپنی تلاش ۶ اپنی بڑائی کرنا

طرح کولمبیا یونیورسٹی نے اُنہیں سنسکرت کا پروفیسر ہونے کی دعوت دی، علاوہ اِس کے بڑے بڑے علماء اور ماہرینِ نفسیات اور فلاسفر بھی اُن کا لوہا مان گئے۔ لیکن یہاں یہ بتانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی کی صاف گوئی[1] اور باغیانہ صداقت پسندی کی وجہ سے اُنھیں وہ مقبولیتِ عامہ نہیں ملی جس کو حاصل کرنے لیئے لوگ بنیادی اُصولوں کو بھی قربان کر دیتے ہیں سوامی جی جانتے تھے کہ آخری فتح سچائی ہی کی ہوتی ہے اور حقیقی عزت اُس شخص کی ہوتی ہے جو سچ کہنے سے نہیں ڈرتا اور تہذیبِ[2] حاضرہ کی خامیوں کو اعلانیہ[3] بیان کرنے سے نہیں ہچکچاتا۔

امریکہ کے دورہ کے بعد سوامی جی تھک کر چُور ہو گئے۔ اُنہوں نے جو کام بھی اپنے ہاتھ میں لیا بجلی کی تیزی سے سرانجام دیا اور اس طرح اپنے آہنی[4] جسم کی گھُلا دیا بس اُن کے دوست اور احباب ہی جانتے تھے کہ وہ اپنی زندگی اُن اشخاص کے لیئے قربان کر رہے ہیں جنہوں نے اُن کے پیغام کو اپنی زندگی کا حصول بنا لیا تھا۔

انگلینڈ کا دورہ

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے سوامی جی ستمبر ۱۸۹۵ء میں انگلینڈ گئے لیکن امریکہ میں رہے کام کو سرانجام دینے کے لیئے جلد ہی واپس آگئے۔ دوسری دفعہ سوامی جی اپریل ۱۸۹۶ء میں انگلینڈ پہنچے اور جولائی کے آخر میں لوٹ آئے۔ تیسری بار اکتوبر سے دسمبر ۱۸۹۶ء تک وہاں رہے۔ انگلینڈ آتے ہوئے سوامی جی پیرس گئے جسے یُورپ

---

[1] کسی سے نہ ڈرنے والی سچائی [2] آج کل کی تہذیب [3] صاف صاف ڈنکے کی چوٹ [4] لوہے کا جسم۔

کی تہذیب کا مرکز مانا گیا ہے۔ یہاں اُنھوں نے میوزیم، گرجے، آرٹ گیلریاں وغیرہ دیکھیں، پیرس میں اُن کی مُلاقات چند برگزیدہ لوگوں سے بھی ہوئی جن سے مذہبی اور مادی طرح کے موضوعات پر تبادلۂ خیالات ہوا۔

انگلینڈ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی سوامی جی نے محسوس کیا کہ وہ ایک مختلف قسم کے تمدن اور روایات میں سانس لے رہے ہیں، انگریزوں کے متعلق سوامی جی نے بہت ہی اچھی رائے قائم کی، اُن کی ہمت، بہادری اور استقلال کی اُنھوں نے بہت تعریف کی ہے وہ کامن ویلتھ کے نظام سے بہت متاثر ہوئے مسٹر لیگٹ[1] کو ایک خط میں لکھتے ہیں" باوجود اپنی خامیوں کے کامن ویلتھ ویدانت کے پرچار کا بہترین ذریعہ ہوسکتی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ اپنے خیالات کو اس عالمگیر نظام کے مرکز سے نشر کروں، وہ خود بخود دُنیا کے کونے کونے میں پھیل جائیں گے"۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے نصب[2] العین کو کسی حالت میں بھی نظر سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔

انگلینڈ میں سوامی جی کے دوستوں نے اُن کا پُرجوش استقبال کیا، ان میں مس ہنرئیٹا مُلر[3] جو اُن سے امریکہ میں مِل چکی تھیں اور مسٹر ای۔ ٹی۔ سٹرڈی[4] بھی شامل تھے کچھ دن آرام کرنے کے اُنھوں نے اپنا کام پورے جوش سے شروع کردیا صبح اور شام درس تدریس کرنے کے علاوہ ملنے والوں سے مُلاقات کرتے تھے اور دن کو تاریخی اور دوسرے مشہور مقامات کو دیکھنے چلے جاتے تھے اُن کی شہرت بہت جلد پھیل گئی اور

---

[1] LEGGET [2] مقصد۔

[3] MISS HENRIETTA MULLER [4] MR. E.T STURDY

تین ہفتے کے اندر ہی اُن کا کام بہت تیزی سے ہونے لگا، اخباروں نے اُن کے خیالات کا خیر مقدم کیا اور اُنھیں کھُلے دل سے نشر کیا، لندن کی بہت سی خصوصی کلبوں نے اُنھیں اپنے یہاں بُلایا، یہاں تک کہ خود انگریزی چرچ کے لیڈروں نے اُن کو دعوت دی سب نے اُن کی انقلاب انگیز تقریریں دلچسپی سے سُنیں اور اُن کی تعریف کی، انگریزی طرزِ معاش ایسی ہے کہ لوگ دوسروں سے جلدی گھُل مِل نہیں جاتے، لیکن سوامی جی اعلیٰ سے اعلیٰ طبقے میں مدعو کیئے جانے لگے، سوامی جی سے تعلق ہونا باعثِ فخر سمجھا جانے لگا، سوامی جی کو اس طرح انگریزوں کو جاننے کا اچھا موقع ملا، اور اُنھوں نے دیکھا کہ اگرچہ انگلینڈ میں امریکی پبلک کا جوش و خروش کم ملتا ہے لیکن انگریز اگر کسی چیز کو یقینی طور پر اپنا لیتا ہے تو اُس پر پُوری طرح ثابت قدم رہتا ہے، یہی وجہ تھی کہ انگلستان میں مختصر قیام کے باوجود سوامی جی کو بہت سچے مددگار اور دلی دوست مِل گئے، اِن سب میں قابلِ ذکر مس مارگرٹ نوبل ہیں جو بعد میں سِسٹر (بہن) نویدتا کے نام سے مشہورِ عالم ہوئیں۔ مِس نوبل ایک درسگاہ کی ہیڈ مسٹرس تھیں وہ نہ صرف تعلیمی ترقی کے معاملات میں خاص دلچسپی رکھتی تھیں بلکہ افکارِ حاضرہ[1] سے بھی واقف تھیں اُن کا میل جول روشن دماغ مفکروں سے تھا، سوامی جی کے خیالات کی وسعت اور اچھوتا پن اُن کے دماغ کی تیزی اور تازگی، اُن کے مذہب کی ہمہ گیری اور گہرائی نے مِس نوبل کو ہمیشہ کے لیئے اُن کا گرویدہ بنالیا، مِس نوبل، مِس مُلر اور مسٹر سٹرڈی کے علاوہ اِس دورہ میں مسٹر اور مسز سیویر[2] بھی سوامی جی کے خواصین میں شامل

---

[1] زمانۂ حال کے خیالات

[2] Mr & Mrs Sevier

ہو گئے، سوامی جی خود لکھتے ہیں کہ "اُن کے انگلینڈ کے دورے کا اس سے بہتر اور کیا نتیجہ نکل سکتا تھا کہ سسٹر نویدیتا مس نوبل جے۔جے گوڈوِن اور مسٹر اور مسز سیویرنے اپنی زندگی ویدانت کی خدمت کے لیئے ارپن کر دی"۔

اپریل ۱۸۹۶ء میں جب سوامی جی دوسری بار انگلینڈ آئے تو اُنھیں اپنے گرو بھائی سوامی سارداننداسے مِل کر بڑی خوشی ہوئی جن کو خود سوامی جی نے وہاں بُلوایا تھا تاکہ جس کام کو پہلی بار وہ خود اَدھورا چھوڑ گئے تھے اُسے سرانجام دیا جائے۔ اِس بار سوامی جی نے ویدانت کی تعلیم و تدریس کا باقاعدہ انتظام کیا۔ اور اس سلسلہ میں اُنہوں نے گیان یوگ پر مسلسل لیکچر دیئے۔ اِن لیکچروں نے انگلینڈ کے بیدار مغز حلقوں میں ایک نہایت ہی خوشگوار ماحول پیدا کر دیا جس نے ویدانت کے فلسفہ کے پرچار کو آسان بنا دیا، علاوہ اِن پبلک لیکچروں کے سوامی جی پرائیویٹ طور پر درس دیتے رہے۔

لندن کے قیام کے دَوران میں سوامی جی کی مُلاقات ۲۸ مئی ۱۸۹۶ء کو جرمنی کے مشہور پروفیسر میکس[1] مُلر سے ہوئی جو اسوقت آکسفورڈ یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے۔ اِس مُلاقات کا ذکر کرتے ہوئے سوامی جی لکھتے ہیں "میکس مُلر کے چہرے پر شانتی اور دیا برس رہی تھی، ستّر سال کی عمر میں اُن کا ماتھا ایک بچے کے ماتھے کی طرح صاف تھا، اُن کے چہرے کی ہر لکیر اس بات کا پتہ دے رہی تھی کہ رُوحانیت کی گہری کان اُن کے اندر چھپی ہے" پروفیسر میکس مُلر سری رامکرشن کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل

---

[1] PROF MAX MULLER

کر چکے تھے، لیکن اُن کی خواہش تھی کہ سوامی جی کی زبانی اُن کے گرُو دیو کی زندگی کے پورے حالات سُن کر اُن کی سوانح عمری لکھیں اور سری رامکرشن کے خیالات سے دُنیا کو روشناس کریں، سوامی جی نے فوراً ہی جو کچھ مواد جمع ہو سکا پروفیسر مُلر کے حوالے کر دیا، پروفیسر مُلر نے بھی جلد ہی اپنی کتاب "سری رامکرشن کے سوانحِ حیات اور اُپدیش" شائع کروادی۔ اِس کتاب سے سوامی جی کے کام کو خاص مدد ملی، اور انگریزی دُنیا میں سری رامکرشن اور اُن کے مشن کا نام پھیل گیا اور ان کے اُپدیشوں سے لوگ واقف ہو گئے۔

کام کی زیادتی نے سوامی جی کو بالکل تھکا دیا، چند دوستوں اور خیر خواہوں کے اصرار پر وہ آرام کے لئے یُورپ روانہ ہو گئے ۱۸۹۶ء کے گرمیوں کے مہینے اُنہوں نے سویٹ زرلینڈ کے برف پوش پہاڑوں میں گزارے، یہاں اُن کو پہلی بار خیال آیا کہ ہمالیہ پربت پر ایک ایسا سنیاس آشرم بنایا جائے جہاں اُن کے مغربی اور مشرقی پیرو یکجا ہو کر رہ سکیں، اِس کا ذکر اُنہوں نے مسٹر اور مسز سیویر سے کیا جو اُن کے ساتھ تھے۔ اُنہوں نے اِس کام کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا اور آخر پُورا کر کے چھوڑا۔

سوئیزرلینڈ میں سوامی جی کو جرمنی کے مشہور ماہرِ ہند پروفیسر پال ڈیوسن[1] کی طرف سے مُلاقات کی دعوت ملی۔ سوامی جی نے سوئیزرلینڈ کے قیام کو کم کر دیا اور ہیڈل برگ کوبلز، کولون اور برلن[2] ہوتے ہوئے اور اس طرح جرمنی کی مادّی ترقی

---

[1] PROF PAUL DEUSSEN IRDOLOGIST

[2] HIEDELBURG COBLUEZ COLOGNE BERLIN KIEL

اورعظمت کا اندازہ کرتے ہوئے کیل پہنچے جہاں پروفیسر ڈیوسن نے اُن کا بہت پرُجوش استقبال کیا اِس طرح ہمیشہ کے لیے دونوں میں دوستانہ اور مخلصانہ تعلقات پیدا ہو گئے۔ اِس کے بعد سوامی جی واپس لندن آگئے کچھ عرصہ بعد پروفیسر ڈیوسن بھی اُن سے آملے، سوامی جی نے دو مہینے اور لندن میں قیام کیا۔ اس دوران میں وہ میکس مُلر، ایڈورڈ کارپنٹر، فریڈرک مائیرز، کینن ولبر فورس[1] اور دوسرے مشہور و معروف لوگوں سے کئی بار ملے اور اسی عرصہ میں ویدانت اور مایا کے نظریہ پر لیکچروں کا ایک نیا سلسلہ بھی پورا کیا۔

کام کی زیادتی کی وجہ سے سوامی جی کی صحت پھر خراب ہونے لگی، سب دوستوں نے آرام کی رائے دی لیکن سوامی جی کو اپنا دیس واپس بُلا رہا تھا جہاں اُنھیں اور بھی زیادہ کام کرنا تھا وہ محسوس کر رہے تھے کہ مغربی ممالک میں اُن کا کام تقریبًا ختم ہو چکا ہے اور وہ وقت آپہنچا ہے کہ اُنھیں ہندوستان کے میدان[2] عمل میں گامزن[3] ہونا چاہیے تاکہ مادرِ وطن[4] کی خدمت سرانجام دے سکیں، اُدھر امریکہ سے بھی متواتر بلاوے آ رہے تھے، اِس لیے سوامی سردانند کو نیویارک بھیجا گیا اور لندن میں کام کرنے کے لیے ہندوستان سے اپنے دوسرے گُروبھائی سوامی ابھیدانند کو بُلوا لیا، سوامی جی نے اُن کو اپنا نیا کام پُوری تن دہی سے

---

[1] MAX MULLER, EDWARD CARPENTER

FREDRICK MAYERS, CANON WILBERFORCE

[2] کرم بھومی [3] چلنا - دوڑ دھوپ کرنا [4] بھارت ماتا

سمجھایا اور اُنھیں اپنی بھاری ذمہ داریوں سے اچھی طرح آگاہ کیا اُنھیں یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ سوامی ابھیدانند میں وہ سب خوبیاں موجود تھیں جو اس کام کے لیۓ درکار تھیں وہ نہ صِرف رُوحانیت کے اونچے درجے پر پہنچ چکے تھے بلکہ زبردست دماغی طاقت کے مالک بھی تھے، ویدانت کی تدریس کی اہلیت اُن میں بدرجۂ اُتم موجود تھی، وہ ہر طرح سے سوامی وویکانند کی جگہ کام کرنے کے حقدار تھے، یہ دیکھ کر سوامی جی شانت من سے اپنے غریب مُلک کو واپس جانے کے لیۓ تیار ہو گئۓ تاکہ اپنے اُن ہم مُلکوں کی براہِ راست سیوا کر سکیں جن کی خاطر وہ سات سمندر پار پردیس گئۓ تھے اور جن کے لیۓ اُنہوں نے اپنی قابل رشک صحت کو دن رات کام کرتے کرتے تباہ کر دیا تھا۔

بھارت کے چرنوں میں

سوامی جی مسٹر اور مسز سیویئر[1] کو ساتھ لیۓ ۱۶ دسمبر ۱۸۹۶ء کو لندن سے یورپ کے راستے ہندوستان روانہ ہو گئۓ اُن کے سکریٹری مسٹر گڈون ساوتھ ایمپٹن[2] سے جہاز میں سوار ہوۓ اور قرار پایا کہ سوامی جی نیپلز[3] میں اُسی جہاز پر سوار ہو جائیں گے، چلتے وقت سوامی جی سے کسی نے پُوچھا "سوامی جی چار سال مغربی آرام و آسائش کے ماحول میں رہ کر آپ کی اپنے دیش کے متعلق کیا راۓ ہے" سوامی جی نے جواب دیا "مجھے آنے

---

[1] MR. AND MRS SEVIER [2] SOUTHAMPTON

[3] NAPLES

سے پہلے بھارت سے پریم تھا اور اب یہ حالت ہے کہ اس کی پاک زمین میرے لیے قابلِ پرستش[1] ہو رہی ہے، پہلے بھارت صرف میری جنم بھومی تھی۔ اب ایک زیارت گاہ[2] ہے، ایک متبرک تیرتھ جہاں میں یاترا کرنے جا رہا ہوں"۔

سوامی جی ڈوور، کیلے، اور مانٹ چینز ہوتے ہوئے میلان پہنچے جہاں سے اٹلی کی مختصر سیاحت کا آغاز ہوا، فلورنس ہوتے ہوئے روم گئے، یہاں ایک ہفتہ قیام کیا اور تمام تاریخی مقامات اور مذہبی، تعلیمی اور فنونِ لطیفہ کے مرکز دیکھنے گئے، روم سے نیپلز پہنچے جہاں سے جہاز میں سوار ہو کر ۳۰ دسمبر ۱۸۹۶ء کو کولمبو روانہ ہو گئے۔

ہندوستان کی تاریخ[3] حاضرہ میں سوامی جی کی واپسی ایک نہایت ہی اہم واقعہ ہے، تمام ہندوستان نے یکزبان ہو کر اُن کا استقبال[4] کیا اور خراجِ عقیدت[5] پیش کیا، چار سال سے لوگ اُن کے کارہائے نمایاں کا حال اخباروں میں پڑھتے آئے تھے۔ آج وہ کامیابی کا سہرا باندھے اپنے ملک میں اُن کے سامنے موجود تھے، تمام ہندوستان اُن کے قدم چومنے کو جُھک رہا تھا جس جگت گُرو نے دُنیا کو ہندو دھرم کے اُصولوں کو سمجھایا اور ویدانت کا سبق دیا تھا وہ آج اپنے ہم وطنوں میں روحانیت اور فلسفہ کے خزانے لٹانے آپہنچے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پراچین بھارت کے رشی نے ہندو دھرم کی پرانی شان کو از سرِ نو اُبھارنے اور اُس کا جھنڈا تمام دُنیا میں لہرانے کے لیے پھر جنم لیا ہے۔

---

[1] پوجا کے یوگیہ [2] پوترا ستھان [3] اتہاس [4] سواگت
[5] شردھانجلی

جب سے سوامی جی نے پارلیمنٹ آف ریلیجنز میں ہندوستان کی عظمت[1] کا سکّہ بٹھا دیا تھا، ہندوستانی تعلیم یافتہ طبقے کی آنکھیں کھُل گئیں تھیں اور اُنھیں اپنے مذہب کی پوشیدہ خوبیاں نظر آنے لگ گئی تھیں، جیسے اُن کو اپنا کھویا ہوا خزانہ مِل گیا ہو۔ اب تو اُنھیں پوری طرح یقین ہو گیا کہ ویدانت ہی وہ مذہبی فلسفہ ہے جو ہمہ گیر عالمی مذہب ہونے کی اہلیت رکھتا ہے۔

سوامی جی کا جہاز ۱۵ جنوری ۱۸۹۷ء کی صبح کولمبو پہنچا، سورج طلوع[2] ہو رہا تھا۔ اس کی کرنوں نے لنکا کے ساحل کو سنہری لباس پہنا رکھا تھا، دُور سے یہ نظارہ دیکھ کر سوامی جی خوشی سے پھُولے نہ سمائے، ابھی اُنھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ہر مذہب و ملّت اور ہر سوشل سوسائٹی کے نمائندے اُن کے استقبال کے لیے کولمبو، مدراس کلکتہ وغیرہ مقامات پر جمع ہو رہے تھے اُن کا ایک گُرو بھائی لنکا پہنچ چکا تھا اور دوسرے ابھی راہ ہی میں تھے۔ مدراس اور کلکتہ میں اُن کی واپسی پر خوب جوش و خروش تھا وہ اپنے وطن کا درخشاں[3] ستارہ بن چکے تھے۔

جب سوامی جی جہاز سے اُترے تو جے جے کار کے نعروں سے آسمان گونج اُٹھا، سمندر کے کنارے تِل دھرنے کو جگہ نہ تھی، ہزاروں لوگوں نے سوامی جی کو گھیر لیا اور لگے اُن کے پاؤں چھُونے جلد ہی ایک بھاری جلوس تیار ہو گیا، آگے آگے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ بھجن اور کیرتن ہو رہا تھا، سوامی جی کے راستے میں پھُولوں کی پتیاں بچھائی جا رہی تھیں، امیر و غریب ہزاروں آدمی اپنی اپنی بھینٹ لے کر آ رہے

---

[1] بڑائی [2] نکل [3] چمکتا ہوا۔

تھے سوامی جی اِس جلوس میں ایک فاتح کی طرح جا رہے تھے، فرق صرف اتنا تھا کہ اُنھوں نے لوگوں کے دِلوں کو فتح کیا تھا کسی مُلک کو نہیں۔

سوامی جی لنکا میں دس دن رہے، یہاں استقبالیہ خطبوں کے جواب میں اُنھوں نے کئی تقریریں کیں، لنکا سے سمندر پار کر کے پھر ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا، جہاں جہاں بھی پہنچے لوگوں نے دُھوم دھام سے اُن کا استقبال کیا، جلوس نکالے گئے۔ راجاؤں نے فخر کے ساتھ اُن کے رَتھ کو کھینچا اور لوگوں نے ایک دوسرے سے بڑھ کر اُن کی عزت کی اُن کی اِس بے پایاں[1] محبت کے اظہار سے سوامی جی اور بھی یقین ہو گیا کہ مذہب ہی ہندوستانیوں کے دل کی کُنجی ہے، اور ہندوستانی تہذیب کا بیک وقت گہوارہ بھی ہے اور نشان بھی۔

پانچ سال پہلے سوامی جی آبلہ پا[2]، کشکول بدست[3] تھکے ماندے اِنھیں مقامات سے گزرے تھے، لیکن لوگوں نے اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ بھی دوسرے سادھوؤں کی طرح آئے اور چلے گئے، لیکن آج اُن کی اس قدر عزت ہو رہی تھی، سوامی جی جانتے تھے کہ یہ عزت اُن کی ذات کے لیے نہیں بلکہ اُس ہندو دھرم کی کامیابی کے لیے ہے جس کا جھنڈا بھگوان سری رامکرشن نے اُن کے ہاتھوں پھر سے بلند کروایا تھا۔ اِسی لیے تو اُنھوں نے اپنی تمام تقریروں میں ہندوستان کی بیداری پر زور دیا، اُن کے جنوب سے شمال تک کے فاتحانہ دَورہ میں لوگوں میں ایک نئی زندگی کی لہر دَوڑ گئی۔

---

[1] اتھاہ [2] زخمی پاؤں [3] ہاتھ میں کشکول لیے

ہموطنوں کے نام سندیش

سوامی جی مدراس پہنچے تو لوگوں کے جوش کی کوئی حد نہ رہی، سترہ تو پھولوں کے دروازے بنائے گئے، چوبیس خطبے مختلف زبانوں میں پیش کئے گئے، لوگوں نے اور سب کام بند کر دیئے، سوامی جی نے بھی مدراس میں تین شاندار لیکچر دیئے جن کے عنوان تھے "میرے کام کا پلان" "ویدانت کا مشن" اور "بھارت کا مستقبل" انھوں نے فرمایا کہ ہر فرد کی طرح ہر قوم کا بھی ایک مرکزی موضوع ہوتا ہے جو اس قوم کی صدیوں کی تاریخ سے ابھرتا ہے، یا یوں کہو کہ ایک بنیادی سُر ہوتا ہے جس میں اس قوم کی اور کاروائیاں دوسرے سُروں کی طرح مل کر ایک میٹھا راگ پیدا کر دیتی ہیں کوئی قوم اپنے مرکزی موضوع سے منحرف[1] ہو کر زندہ نہیں رہ سکتی، ہر قوم کے لیئے وہی راستہ موزوں ہے، جو اس کے حصّے میں آیا ہے، اگر کوئی قوم دیکھا دیکھی اپنی قوتوں کو کسی دوسری راہ پر لگانے کی کوشش کرے گی تو وہ قوم یقیناً مر جائے گی۔

ہندوستان کا مرکزی موضوع، اس کا تاریخی راستہ، اس کے راگ کا بنیادی سُر روحانیت ہے اور سب کاروائیاں اسی مرکز پر قائم ہونے پر ہی کامیاب ہو سکتی ہیں، اصلاح بھی تب ہی کامیاب ہو سکتی ہے جب وہ قوم کو روحانیت کے قریب لے جائے، سیاسیات بھی روحانیت کا ہی رنگ لے کر چل سکتی ہے، اس کے اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ سیاسیات کو مذہبی قالب میں ڈھالا جائے یا مذہب کو

---

[1] ہٹ کر

سیاست میں داخل کرلیا جائے مطلب یہ ہے کہ رُوحانیت کے پسِ منظر سے ہٹ کر اور اخلاق کے اُصولوں سے دُور رہ کر سیاسیات ہندوستان میں بے معنیٰ نقل بن کر رہ جائے گی۔ اِس لیئے ضروری ہے کہ سماج کی اصلاح اور ترقی اور سیاسی نظام کے متعلق نئے نئے نظریوں کا طوفان برپا کرنے سے پہلے روحانیت اور اخلاق کو پُوری طرح اپنایا جائے۔ ہمارا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہماری مذہبی کتابوں مثلاً اُپنشِدوں اور پُرانوں میں حق[1] و عمل کے جو خزانے پوشیدہ ہیں اُنھیں عوام تک پہنچایا جائے ہمارے آشرموں میں سادھوسنتوں کی گپھاؤں اور کٹیوں میں جو حقائق پنہاں[2] ہیں اُنھیں آشکارا[3] کیا جائے تاکہ تمام مُلک میں ہمالیہ سے کنیا کماری تک اور سندھ سے برہم پتر تک رُوحانیت ایک آگ بن کر پھیل جائے۔ سوامی جی نے کہا" ہاں ایک بار پھر بھارت کے ہر طبقہ اور ہر ذات کے مَرد عورت اور بچّے کو سُنادو کہ تمہاری وراثت رُوحانیت ہے کوئی طاقتور ہو یا کمزور، اونچی ذات کا ہو یا نیچی ذات کا، امیر ہو یا غریب عالم و فاضِل ہو یا اَن پڑھ الھڑ، سب میں ایک ہی لازوال[4] رُوحِ اعظم[5] ہے جو کسی طرح بھی محدود[6] نہیں، جس کو جاننے سے بے حد طاقت حاصل ہوتی ہے جس کو جان کر ہر چیز ممکن ہو جاتی ہے اور نیکی اور بھلائی کرنے کی بیکراں[7] قوت پیدا ہو جاتی ہے، ہر شخص سے پُکار پُکار کر کہہ دو" اُٹھو جاگو اور آگے بڑھو، رُکنا تمہارا کام نہیں، جب تک منزلِ مقصود تک نہ پہنچ جاؤ بڑھتے چلو" تمہاری کمزوریوں نے

---

[1] ستیہ اور کرم [2] چھُپے ہوئے [3] پرکاش [4] امر [5] پرماتما [6] بندھن میں پھنسی ہوئی [7] بے حد۔

تم پر جادو کر رکھا ہے، تمہیں موت کی نیند سُلا دیا ہے جاگو، یہاں کون ہے جو کمزور ہے، رُوح کو کون کمزور کہتا ہے، تم ہر طاقت کے مالک ہو، تم ہر جگہ ہو، کوئی شے، تم سے چھپی نہیں ہے، اپنے آپ کو جانو، اُٹھو اور اپنی حقیقت سے آشنا ہو کر تم بھی اناالحق[1] کے نعرے لگاؤ۔ اپنے آپ سے غافل ہونا ہی خدا سے مُنکر ہونا ہے اُٹھو اور یقین خودی[2] کا اعلان کردو۔

ہمارا مذہب وہی ہے جو ہمیں مردانگی سکھائے، ہماری تعلیم وہی ہے، جس سے مردانگی کی بُو آئے، ہمارا فلسفہ وہی ہے جو ہماری قوت میں اضافہ[3] کرے، یہی ایک معیار ہے حقیقی رُوحانیت کا، یہی کسوٹی ہے سچّے مذہب کی، جو مذہب، جو نظریہ، جو فلسفہ انسان کو جسمانی، ذہنی، اخلاقی یا رُوحانی کمزوری کی طرف لے جاتا ہے وہ سراسر جھوٹ ہے اختراع[4] ہے، اس کے پاس نہ بھٹکو وہ زہرِ ہلاہل[5] ہے، اُسے چھوؤ تک نہیں وہ موت ہے زندگی نہیں، سچ وہی ہے جو تقویت[6] دے سچ ہی پاکیزگی ہے۔ سچ ہی علم ہے، جھوٹ جہل کا دوسرا نام ہے، سچ کے علم بردار و اُٹھو اور کمزور کرنے والی جھوٹی ریتوں کو خیرباد کہو اور جاں بخش سچی رُوحانیت کو اپناؤ یاد رکھو جیسے زندگی بذاتِ خود مشکل پسند نہیں ہے، اِسی طرح سچائی پیچیدہ[7] نظریوں کا سلسلہ نہیں، حقیقت[8] سادگی کے مترادف[9] ہے"۔

اِس مرد ساز[10] پیام کے ساتھ ساتھ سوامی جی نے عوام کی بہبودی[11] پر بہت

---

[1] شودہم [2] آتم وشواس [3] بڑھائے [4] من گھڑت [5] جان لیوا زہر [6] طاقت۔ شکتی [7] مشکل فلسفہ [8] سچائی [9] ہم معنی۔ سمان [10] مردانگی پیدا کرنے والا سندیسہ [11] بھلائی۔

زور دیا وہ نہیں چاہتے تھے کہ ویدانت محض انفرادی[1] ترقی کا ذریعہ بن کر رہ جائے۔
اُنھوں نے اپنے ہم وطنوں کو اُن کی ذمّہ داریوں سے آگاہ کیا، فرمایا "ہم اپنی ذلّت
کے خود ذمہ دار ہیں، ہمارے آبا و اجداد نے عوام کو صدیوں سے روندا ہے، وہ غریب
اِس قدر پس گئے ہیں کہ اُنھیں اپنے اِنسان ہونے کا بھی احساس نہیں رہا، سالہا
سال سے اِن مظلوموں سے فقط[2] محنت و مشقت کا کام لیا گیا ہے، اُن کی حالت
باربرداری[3] کے جانوروں کی سی بن گئی ہے، اِن غریبوں کا خیال کرو اُن کے لئے
دل میں درد پیدا کرو سماجی مصلح[4] کہلانا آسان ہے، قومی[5] خادم کا لقب[6] اختیار
کرنا بھی سہل ہے مگر یہ سب دکھاوا ہے، فریب ہے۔ اگر تمہارے دل میں اِن کروڑوں
اِنسانوں کے لیے درد نہیں ہے، تمہاری رُوحانیت، تمہاری ویدانت ایک بے معنی
نظریہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، اگر تمہیں اِس بات کا احساس نہیں ہے کہ اِن
سب لوگوں میں بھگوان خود براجمان ہیں، تم فخریہ کہتے ہو کہ تم دیوتاؤں اور رشیوں
کی اولاد ہو لیکن کیا تم جانتے ہو کہ آج تمہارا مقام[7] تمہارے کردار کی وجہ سے جانوروں
سے بھی گِرا ہوا ہے، مانا تمہیں پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوتا ہے لیکن کیا تم محسوس
کرتے ہو کہ لاکھوں لوگ بھوکے مَر رہے ہیں اور سالہا سال سے بھوکے مَرتے آئے ہیں،
کیا تمہیں اِس کا دُکھ ہوتا ہے؟ تم جانتے ہو کہ جہالت[8] کا اندھیرا تمام مُلک پر چھا رہا
ہے، کیا یہ حالت تمہیں بے چین نہیں کرتی۔ کیا تم سُکھ کی نیند سو سکتے ہو؟ کیا تم نے
اپنی بڑائی کا خیال ترک[9] کر دیا ہے؟ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ تمہارے دل میں اپنے نام

---

[1] ذاتی اپنی اپنی [2] صرف، بس [3] بوجھ اُٹھانے والے [4] ریفارمر [5] دیش سیوک
[6] نام۔ ٹائیٹل [7] کرم [8] درجہ [9] اودیا [10] چھوڑ دیا۔

کی شہرت کی خواہش نہیں ہے ؟ کیا تمہیں اپنے بیوی بچوں کا خیال نہیں ستاتا ؟ کیا تمہیں اپنی جائیداد کا فکر نہیں ہے ؟ اور کیا تم میں اپنی جان پر کھیل جانے کی ہمت ہے ؟ اگر تم اِن تمام مرحلوں سے گزر چکے ہو تو دیش بھگتی کے رستے پر پہلا قدم اُٹھانے کے قابل ہو ۔ دیش بھگتی کوئی آسان اور سستی چیز نہیں ہے ۔ فضول باتوں سے دیش بھگتی نہیں ہوتی ۔ جاؤ اپنے لیئے کوئی عملی پروگرام بناؤ ۔ محض نکتہ چینی سے کام نہیں چلے گا جاؤ عملی طور پر دوسروں کی مدد کرو کسی دُکھیارے[1] کا دُکھ بانٹو ۔ کسی غمزدہ کی دلجوئی[2] کرو اور اُنھیں دُکھ درد کے اندھیرے سے نکال کر زندگی کی روشنی میں لے آؤ ۔ اِس کام میں تمہارے رستے میں بہت سی مشکلات آئیں گی ۔ تمہیں بڑی سے بڑی مشکلوں کو مٹانے کی ہمت پیدا کرنا ہو گی ، اگر تمام دُنیا تمہارے راستے میں حائل[3] ہو جائے تو بھی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے تمہیں اِس کا مقابلہ کرنا ہو گا اگر تم میں یہ طاقت ہے ، تو تم ضرور کامیاب ہو گے ، مگر جان لو کہ یہ کام آسان نہیں ۔

آؤ ہم اگلے پچاس سال کے لیئے سب دیوی دیوتاؤں کو بھول جائیں ، آج سے ہمارا بس ایک ہی خدا ہے ، وہ ہے ہماری قوم ، ہر طرف اُسی خدا کے ہاتھ ہیں ہر طرف اُسی کے قدم ، یہی خدا سب پر غالب ہے ، باقی سب دیوتا سمجھ لو کہ سو رہے ہیں آخر اگر ہم میں بھگوان کے اس وراٹ رُوپ کی پُوجا کی ہمت نہیں تو ہم دوسرے کون سے دیوتاؤں کو رِجھا سکتے ہیں ، بھگوان اپنے وراٹ رُوپ میں ہر وقت ہمارے سامنے موجود ہے ہماری سب سے بڑی پُوجا اِسی بھگوان کی پُوجا ہے ، ہمارے غریب اور مظلوم ہم وطن ہی ہمارے دیوتا

---

[1] مصیبت کے مارے [2] تسلی ۔ ڈھارس [3] راستہ روک لے

ہیں۔ اُنھیں کی پوجا ہمارا اولین فرض ہے"۔

غرض اس طرح سے لوگوں کو صدیوں کی نیند سے جگاتے ہوئے سوامی جی کلکتہ پہنچے، یہاں بھی دوسرے شہروں کی طرح اُن کا نہایت شاندار استقبال ہوا ۲۸ فروری ۱۸۹۷ء کے روز سوامی جی کو راجہ سر رادھا کانتا دیو بہادر[1] کے عالیشان محل میں استقبالیہ ایڈریس پیش کیا گیا۔ اس جلسے میں راجے مہاراجے، سنیاسی، کئی مشہور یورپین، بڑے بڑے پنڈت اور شہر کے تمام برگزیدہ لوگ شامل تھے، اس جلسے کے صدر راجہ وجے کرشن دیو بہادر[2] نے سوامی جی کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ سوامی جی قوم کی سب سے بڑی ہستی ہیں اس خطبے کے جواب میں سوامی جی نے جو تقریر کی وہ قوم پرستی کے اظہار کا ایک شاہکار ہے۔

کلکتہ میں سوامی جی دن کو گوپال لال سیل[3] کی کوٹھی پر کاشی پور میں قیام کرتے تھے اور لوگوں سے ملتے تھے، لیکن رات کو عالم[4] بازار میں سری رامکرشن مٹھ میں چلے جاتے تھے، اِن دنوں سوامی جی سری رامکرشن کے بھگتوں کے گھر بھی جایا کرتے تھے مگر اُن کا زیادہ تر وقت کاشی پور میں گزرتا تھا جہاں سینکڑوں لوگ اُن سے ملنے آتے تھے، سوامی جی تعلیم یافتہ غیر شادی شدہ نوجوانوں میں خاص دلچسپی لیتے اور اُن سے پہروں باتیں کرتے رہتے، اُن کی زبردست خواہش تھی

---

[1] Raj Sir Radha Kanta Dev Bahadur

[2] Raj Vijay Krishna Dev Bahadur

[3] Gopal Lal Seal [4] Alam Bazar

کہ اپنی طبیعت کا جوش اُن کے دل میں بھردیں، وہ مذہب کے دلدادہ چند جوشیلے نوجوانوں کو اپنی زندگی رُوحانیت اور قومی خدمت کے لیۓ وقف کرنے کی ترغیب دیتے تھے، وہ اِن جوانوں کو اپنے ہاتھوں سنیاس اور سیوا کی زندگی کے لیۓ تیار کرنا چاہتے تھے۔ اُنھیں جوانوں کی جسمانی کمزوری دیکھ کر سخت رنج ہوتا وہ سب جوانوں کو صحت مند دیکھنا چاہتے تھے، وہ بچپن کی شادی کے سخت خلاف تھے، اُنھیں یہ دیکھ کر دُکھ ہوتا تھا کہ نوجوانوں کو اپنے اوپر اعتماد نہیں وہ اِنھیں خود اعتمادی کی تلقین کرتے، اپنے مُلک اور اپنی تہذیب کی سچی بڑائی اُن کو جتلاتے تاکہ وہ بجا طور پر اپنی چیزوں پر ناز کر سکیں یہ تمام نصیحت کچھ اس طرح کرتے کہ اُنھیں ناگوار نہ گزرے، اُن کی ہر بات سے محبت اور دوستی ٹپکتی تھی جو سب کو اپنا گرویدہ بنالیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے نوجوان اُن کے پیرو بن گئے۔

عالم بازار کے سنیاس آشرم میں ایک نئی دُنیا بس رہی تھی، وہاں کے سنیاسیوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ سری رامکرشن کے چرنوں میں گزرے ہوئے دنوں کی یاد تازہ ہوگئی، ہر سنیاسی اپنی سیاحت کے تجربات بیان کرتا، سوامی جی اُنہیں اپنے مغربی دَورے کے واقعات سُناتے لیکن ساتھ ہی ساتھ اہم تعمیری کام بھی ہو رہا تھا جس کی اہمیت کا اندازہ صرف سوامی جی ہی کو تھا۔

سوامی جی کے زیرِ اثر آہستہ آہستہ مُکتی کے دلدادہ سنیاسی ایک نئے فلسفے کے علمبردار ہوتے گئے، جہاں آج تک سنیاسی زندگی کا مقصد زہد و ریاضت اور رُوحانی ارتقا ہی سمجھا جاتا تھا[1]، وہاں قوم کی سیوا مذہبی زندگی کا ایک ضروری در

---

[1] اُنتی

جزدبن گئی اب تک دُنیا کے دُکھ سُکھ سے الگ تھلگ رہنا ہی سنیاس کا امتیازی[1] اُصول تھا، سوامی جی نے اپنے سنیاسی بھائیوں کے لیۓ ایک نئی راہ نکالی، اُنہوں نے اپنے گرُو بھائیوں کو ایک منظم[2] جماعت بنادیا اور دُنیا کی بہبودی[3] کے لیۓ علم وعمل کا ایک نیا پروگرام اُن کے سپرد کردیا، اُنھیں خود اعتمادی کا سبق دیا اور پھر ویدانت کو پھیلانے اور قوم کی سیوا پر لگا دیا، وقت کا تقاضہ یہی تھا کہ سنیاسی اپنی مثال سے غریبوں، مظلوموں اور لاچار لوگوں کی سیوا کے ایک عملی مذہب کا پرچار کریں، اور ساتھ ہی ساتھ ویدانت جیسا وسیع اور عالمگیر فلسفہ عوام تک پہنچا دیں تاکہ ہر طرح کی کمزوریاں مٹا کر انفرادی اور قومی طاقت پیدا کریں، یہی سوامی جی کی زندگی کا مقصد تھا جسے بھگوان سری رامکرشن نے اُن کے سپُرد کیا تھا، یہی پیغام تھا جو اُنہوں نے اپنے خطوط میں اپنے گرُو بھائیوں کو یوُرپ اور امریکہ کے قیام کے دوران میں بھیجا تھا۔ اِسی کو اب وہ عملی جامہ پہنا رہے تھے، اُن کی ذات سے سب آشرم نواسیوں میں بجلی کی لہر سی دوڑ گئی، ترک اور خدمت کا ایک نیا رستہ کھُل گیا جس پر چلنے والوں کے لیۓ ترکِ دُنیا[4]، اعلیٰ اخلاق، گہرا مطالعہ، اور سخت ریاضت کے علاوہ زندگی کو انسانی خدمت کے لیۓ وقف کرنا اعلیٰ ترین[5] مقصدِ حیات قرار پایا۔

سوامی جی کے گرُو بھائیوں کو اُن پر پوُرا پورا بھروسہ تھا وہ سوامی جی کی ہدایات کو سری رامکرشن کا فرمان سمجھتے تھے اور سب کے سب سوامی جی کا بتایا ہوا کام کرنے

---

[1] خاص [2] سماج [3] بھلائی [4] سنیاس۔
[5] سب سے اونچا

کے لیۓ ہمیشہ کمربستہ رہتے تھے، اُن کی ہر بات پر جوشی عمل کرتے تھے اور وہ جہاں وہ بھیجیں وہاں جانے کے لیۓ تیار تھے۔ مثلاً سوامی رامکرشن نند جنہوں نے بارہ سال تک مٹھ کی چار دیواری سے باہر قدم نہیں رکھا تھا، مدراس چلے گئے اور وہاں جاکر ویدانت کے پرچار کے لیۓ ایک مرکز قائم کیا، سوامی سارداننداور سوامی ابھیدانند امریکہ اور انگلینڈ جاچکے تھے، سوامی اکھنڈانند قحط زدہ لوگوں کی مدد کے لیۓ مُرشد آباد گئے، اِسی طرح دوسرے گُرو بھائی بھی ہر کام کے لیۓ جو سوامی جی مناسب سمجھیں ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ اِن کے علاوہ بہت سے روشن دماغ، پڑھے لکھے ذہین نوجوان سوامی جی کے زیرِ اثر گھر بار چھوڑ سری رامکرشن مٹھ میں داخل ہو چکے تھے اور سوامی جی کے کہنے پر اپنی جان تک دینے کے لیۓ تیار تھے۔ سوامی جی نے اِنھیں تیاگیوں کو غریبوں تک پہنچنے کا ذریعہ بنایا، اِنھیں کی معرفت اَن پڑھے مظلوموں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سکھایا، لوگوں کی خودداری مرچکی تھی، ویدانت کے جان بخش پیغام سے ہر چھوٹے بڑے کے احساسِ خودداری کو بیدار کرکے اُنھیں انسان بنایا، اِسی کام کو سرانجام دینے کے لیۓ کئی مٹھ قائم ہوگئے اور کتنے ہی سیوا آشرم بن گئے جو آج تک قائم ہیں اور عوام کی خدمت کررہے ہیں۔ اِس طرح خدمتِ عامہ کا ایک طریق رائج ہوگیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں کہیں طوفان یا قحط یا وبا کی صورت میں کوئی مصیبت آن پڑی سری رامکرشن مِشن کے سوامی اور سیوا کا رجھٹ وہاں جا پہنچے۔ بھگوان کی کرپا سے اب تک یہ خدمتِ خلق[1] کا کام اپنے پورے زوروں پر ہے۔

اِس تمام کام کی بنیاد پہلی مئی ۱۸۹۷ء کو رکھی گئی۔

---

[1] جنتا کی سیوا

سوامی جی کا مدت سے ارادہ تھا کہ سری رامکرشن کے چیلوں اور پیروؤں کو کسی طرح منظم کر دیا جائے، اس مطلب کے لئے ایک جلسہ بالارام بوس کے مکان پر یکم مئی ۱۸۹۷ء کو بلایا گیا اور اس جلسے میں سری رامکرشن ایسوسی ایشن قایم کی گئی جس کا مقصد سری رامکرشن کے بتائے طریقے پر تمام مذاہب کے لوگوں کو یکجا کرنا اور اُن کے ظاہری تفرقات کو مٹانا تھا۔ کیونکہ دراصل سب مذہب ایک ہی منزل پر لے جانے کے مختلف راستے ہیں۔ اس سلسلے میں لوگوں کو تعلیم دینے اور ویدانت کا پرچار کرنے پر خاص زور دیا گیا ساتھ ہی یہ فیصلہ کیا گیا کہ سری رامکرشن مٹھ اور سیوا آشرم قایم کیئے جائیں جہاں سنیاسی اور دُوسرے گرہستی ایشور بھگت دیش سیوا کے لیئے تربیت پا سکیں اس ایسوسی ایشن کا ایک مقصد یہ بھی قرار پایا کہ ویدانت کے پرچار کے لیئے چیدہ چیدہ سنیاسی ہندوستان سے باہر بھیجے جائیں۔ جہاں وہ ویدانت کے مرکز قایم کریں اور ہندوستان کے متعلق جو غلط فہمیاں دوسرے ملکوں میں پھیلی ہوئی ہیں انہیں ہر ممکن طریقہ سے دور کر کے وہاں ہندوستان کی حقیقی بزرگی اور رُوحانیت اور مذہب کے میدان میں اس کی برتری کا اعتراف[1] کرا دیں۔ یہ ایسوسی ایشن بہت دیر تک نہ چل سکی لیکن اسی کی بدولت ۱۹۰۹ء میں رامکرشن مشن قائم ہوا۔

سُوامی جی نے جس طرح ویدانت کو عملی جامہ پہنایا اس کی سب سے اعلیٰ مثال انہوں نے خُود قائم کی مئی ۱۸۹۷ء سے جنوری ۱۸۹۸ء تک وہ ایک بگُولے کی طرح شمالی ہندوستان کے بڑے بڑے تاریخی شہروں میں گئے اور ہر جگہ جوش وخروش سے ویدانت کا پرچار کیا المورڑہ، کشمیر، پنجاب، کھیتری، الور، اجمیر اور راجپوتانہ کی دوسری بڑی بڑی ریاستوں کے امیر وغریب اور اونچے نیچے سب ہی طبقے کے لوگوں نے کھُلے دل سے سُوامی جی کو خراجِ عقیدت[2] پیش کیا، وہ راجاؤں اور مہاراجوں

---

[1] منوائیں [2] شردھانجلی

سے اتنی ہی آزادی اور بے تکلفی سے ملتے تھے جتنے کہ عام لوگوں سے اور سب کو ہی مادرِ وطن کی اہم ضروریات کا احساس دلاتے تھے اور ہر امیر و غریب کو دیش سیوا کی دعوت دیتے تھے وہ جہاں بھی گئے لوگوں پر ایک دیرپا[1] اثر چھوڑ گئے اور سب پر روشن کر دیا کہ جو تہذیب ہم نے ورثے میں پائی ہے وہ دنیا بھر کی پُرانی یا نئی ہر تہذیب سے برتر ہے، انہوں نے بتایا کہ ہندوستانی قوم پرستی اُس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتی جب تک اس کی بنیاد قدیم تہذیب پر نہ رکھی جائے۔ نئی نئی باتوں کو اپنانا ضروری ہے لیکن بنیادی باتوں سے آنکھیں بند کرنا خودکشی کرنے کے برابر ہے اگر ہمیں زندہ رہنا ہے تو قدیم تہذیب کے سرچشمہ سے آبِ حیات[2] لے کر قوم کی زندگی میں ایک نئی روح پھونکنا ہوگی اور یہ قدیم وراثت ہماری روحانیت ہی ہے اس لئے ضروری ہے کہ تمام ہندوستان کو روحانیت کے مرکز پر لایا جائے، مذہب اور روحانیت کے معنی مقامی رسم و رواج یا توہمات نہیں بلکہ وہ زندگی بخش اصُول ہیں جو ہماری مذہبی کتابوں میں پنہاں ہیں، ویدانت ہی ہمارا مذہب اور ہماری تہذیب ہے، ویدانت کے گرد ہی ہماری قوم منظم ہو سکتی ہے اسی سے وہ اخلاقی طاقت پیدا کی جاتی ہے جس کے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی ویدانت ہی قوم کے ہر فرد کو ہمت، طاقت اور خود اعتمادی دے کر نڈر بنا سکتی ہے اور اخلاقی جرات بخش سکتی ہے۔ ویدانت ہی، سرفروشی[3] کے اُس قومی معیار کو قائم رکھ سکتی ہے۔ جس کا دوسرا نام سنیاس اور سیوا ہے۔

---

[1] دیر تک رہنے والا [2] امرت [3] قُربانی

شاگردوں کی صحبت میں

شمالی ہندوستان کا دورہ ختم کرنے کے بعد سوامی جی جنوری ۱۸۹۸ء میں کلکتہ واپس آگئے فروری میں سری رامکرشن مٹھ عالم بازار سے نیلم بر مکرجی کی کوٹھی بیلور میں منتقل کر دیا گیا، یہاں آکر سوامی جی نے اپنے شاگردوں کی تربیت کی طرف خاص توجہ دینا شروع کی تاکہ وہ قوم سیوا کے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے ہر طرح قابل ہو جائیں، رُوحانی مرشد کی حیثیت سے سوامی جی اپنے اس کام کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ اِس سلسلہ میں اُنہوں نے اپنے مغربی شاگردوں کی طرف خاص توجہ دی اِن مغربی چیلوں میں اُنہوں نے بالخصوص سسٹر نویدتا (مس مارگرٹ نوبل) کا انتخاب کیا، اُن پر سوامی جی کو پُورا اعتماد تھا اور اُن سے بڑے بڑے کاموں کی اُمیدیں وابستہ تھیں، لہٰذا سوامی جی نے اپنے بیشتر لیکچروں میں سسٹر نویدتا سے خطاب کیا ہے۔ سوامی جی چاہتے تھے کہ اُن کے مغربی شاگرد ہندوستانی مسائل کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کریں اور اُن کو پوری طرح سمجھ کر اور دیش کی قدیمی عظمت کو دھیان میں رکھتے ہوئے مغربی تمدن اور سائینس کے طریقوں سے اُن مسائل کا حل ڈھونڈنے میں مددگار ہوں۔ سوامی جی کا اشارہ پاتے ہی اُن کے یہ شاگرد یکے بعد دیگرے ہندوستان آگئے مِس مارگرٹ نوبل[۱] (سسٹر نویدتا) جنوری ۱۸۹۸ء میں پہنچ گئیں، بعد میں اُنہوں نے مِس ہنرئیٹا ملر[۲] کے ساتھ مِل کر تعلیم نسواں کے لیے کئی سکول قائم کئے،

---

۱ MISS MARGRET NOBLE ۲ MISS HENRIETA MULLER

مسز اول بُل[۱] اور مس جوزفین میکلائیڈ فروری میں پہنچیں، مارچ میں مس مارگرٹ نوبل نے برہمچریہ اختیار کیا اور اُن کا نام بدل کر سسٹر نویدتا رکھا گیا سوامی جی نے اُن کا تعارف کلکتہ واسیوں سے کراتے ہوئے ان کی بہت تعریف کی اور کہا کہ انگلینڈ نے سسٹر نویدتا کی صورت میں ہندوستان کو ایک بیش بہا تحفہ پیش کیا ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد سوامی جی اپنے چند خاص شاگردوں کو ساتھ لے کر پھر ایک نئے دورہ پر روانہ ہو گئے۔ وہ ایک دن الموڑہ میں ٹھہرے جہاں مسٹر اور مسز سیویئر[۲] نے اپنا آشرم بنا لیا تھا۔ اس کے بعد دریائے جہلم کے راستے کشمیر گئے یہاں جولائی ۱۸۹۸ء کے آخر میں سسٹر نویدتا کے ساتھ امرناتھ کی یاترا پر گئے۔ ۱۲ر اگست کو سالانہ پوجا کے دن وہ امرناتھ کی متبرک[۳] گپھا میں پہنچے دوسرے یاتریوں کے پیچھے پیچھے سوامی جی مستی کی حالت میں گپھا میں داخل ہوئے۔ یہاں اُنہیں بھگوان شو کے درشن ہوئے جس کا اثر یہ ہوا کہ کئی دن تک اُنہیں بس شوجی ہی کا احساس رہا اور سوا شو جی کے ذکر کے کچھ اور بات تک نہ کی بس اس لازوال[۴] ہستی، اس عظیم الشان یوگی ہی کے گُن گاتے رہے جو دُنیا سے الگ تھلگ دھیان میں مست رہتا ہے۔

امرناتھ کی یاترا کے بعد سوامی جی کا بھگتی بھاؤ یکایک پھر کالی ماتا کے چرنوں کی طرف جھکا اور جلد ہی جگت ماتا نے بھی اُن کو درشن دیئے اسی وقت انہوں نے اپنی مشہور نظم "کالی ماتا" قلم بند کی۔ اس کے بعد ۳۰ر ستمبر کو وہ اچانک ہی اکیلے چشمہ، شیر بھوانی کے دیوی مندر میں چلے گئے اور سخت ریاضت میں لگ گئے جب کچھ دنوں

---

۱ Miss Ole Bull and Miss Josphine Macleod

۲ Mr. and Mrs. Seviers ۳ پوتر ۴ امر

میں واپس لوٹے تو اُن میں ایک نمایاں تبدیلی آچکی تھی۔ وہ کام کا شوق، وہ تنظیم کی باتیں، وہ جوشیلے اُپدیش سب غائب ہو چکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سوامی جی بس ایک سادھو ہی رہ گئے تھے۔ اپنے شاگردوں سے اُنہوں نے خود کہا "اب تو ماتا ہی ماتا ہے۔ میری قوم پرستی ہو چکی۔ میں سیوا کر چکا، اب تو ماتا ہے اور بس"۔

اِس واقعہ کے بعد وہ لاہور واپس آگئے۔ اب اُن کی صحت اس قدر بگڑ چکی تھی کہ الموڑہ سے سوامی سدانند کو جاکر سوامی جی کو اپنے ساتھ بنگال لانا پڑا، وہ اکتوبر میں بیلور پہنچے جہاں کہ آشرم تیار ہو رہا تھا۔ صحت خراب ہونے کے باوجود سوامی جی نے ۹ر دسمبر ۱۸۹۸ء آشرم کی رسمِ افتتاح[1] ادا کی اور ۲ جنوری ۱۸۹۹ء سے بیلور مٹھ سری رامکرشن مشن کا مرکزی دفتر بن گیا۔

اب سے سوامی جی کا معمول بن گیا کہ سب شاگردوں کو اکٹھا کر کے اُن کو سنیاس کی ذمہ داریوں سے پوری طرح آگاہ کرتے پہروں مذہبی اور روحانی موضوعات پر بات ہوتی، متبرک مذہبی کتابیں پڑھی جاتیں، اور اُن پر تبصرے ہوتے۔ سنیاسیوں اور آشرم نواسیوں پر پابندیاں عائد کی گئیں اور اُن پر سختی سے عمل ہونے لگا۔ سوامی جی کہا کرتے تھے "دُنیا کی تاریخ چند بڑی بڑی شخصیتوں کی تاریخ ہے جنہوں نے خود اعتمادی سے دُنیا میں انقلاب پیدا کر دیئے، یہ خود اعتمادی اُس یزدانی طاقت کا ایک پہلو ہے جو ہر شخص میں موجود ہے جو لوگ اس طاقت کو ظہور[2] پذیر کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے وہ دُنیا میں بھی ناکام رہتے ہیں جس انسان کو اپنے پر اعتماد

---

[1] اُدگھاٹن [2] پرگٹ۔

نہیں رہتا وہ انسان زندہ درگور[۱] ہو جاتا ہے پہلے اپنے پر اعتماد کرنا سیکھو پھر خُدا پر یقین ایسے ہی چند خود اعتماد اور دلاور لوگ ہی دُنیا کو چلا سکتے ہیں، تمہارا طریقہ عمل بس یہ ہونا چاہیئے کہ ہمیشہ دوسروں کی بھلائی اور مُکتی کے لئے کوشاں رہو اگر اِس کے لئے تمہیں نرک کی آگ میں کُودنا پڑے تو کُود جاؤ ایسا کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اپنی مُکتی کی جدّ و جہد[۲] کے بعد تم سُورگ کی سَیر کرو۔"

سوامی جی کی صحت اب روز بروز گرتی جا رہی تھی کام کی تکمیل کے لئے سوامی سارد انند کو امریکہ سے واپس بُلا لیا گیا تھا اور اُن کی مدد سے ویدانت کے پرچار اور دیش کی از سرِ نو[۳] تعمیر کے لئے نوجوانوں ایک زبردست گروہ تیار ہو گیا اِنہیں دِنوں مارچ ۱۸۹۹ء میں مسٹر اور مسز سیویر نے سُوامی سروپ نند کی مدد سے ہمالیہ کے دامن میں مایا وتی کے مقام پر" ادوائیتا" آشرم بھی قائم کر لیا تھا۔ جہاں مشرق اور مغرب دو لو مساوات، محبّت، اور یگانگت کے رشتہ میں بندھے ہوئے اپنے اونچے سے اونچے آدرشوں کو یکجا لا کر ویدانت کی فلاسفی پر عمل پیرا ہو سکتے تھے، اِس طرح سُوامی جی کا ایک دیرینہ[۴] خواب پورا ہو گیا۔ علاوہ اِس کے مُلک کے مختلف حصّوں میں قومی خدمت کے اور بھی بہت سے ادارے قائم ہو گئے جس سے قُدرتی طور پر سُوامی جی کو تسکین ملی اُنہیں یقین ہو گیا کہ اُن کے بلند مقاصد اب اُن کی جنم بھومی میں بھی پورے طور سے جڑ پکڑ چکے ہیں۔

---

[۱] جیتے جی مر جاتا ہے [۲] کوشش [۳] نئے سرے سے [۴] پُرانا

مغرب کا دوسرا دورہ

ہندوستان میں اپنے کام کو پورا ہوتے دیکھ کر سوامی جی نے فیصلہ کیا کہ مغربی ممالک میں جو کام ہو رہا تھا اُس کا بھی بذاتِ خود جائزہ لیں۔ اِس فیصلہ میں اُن کے دوستوں اور ڈاکٹروں کا بھی ہاتھ تھا کیونکہ سوامی جی کی صحت خراب ہوتی جا رہی تھی اور ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ شاید مغرب کا دورہ مُفید ثابت ہو۔ اس دفعہ سوامی جی سِسٹر نویدتا اور اپنے گُروبھائی سوامی تُوریانند کو اپنے ساتھ لے کر ۲۰ جون ۱۸۹۹ء کو جہاز پر سوار ہو گئے، سوامی تُوریانند کو ساتھ لے جانے کے متعلق سوامی جی نے فرمایا "امریکہ والوں نے ایک کھشتری کی طاقت کا معائنہ تو کر لیا ہے اب اُن کو ایک برہمن کی طاقت کو دیکھنا ہے"۔ مطلب یہ تھا کہ مغرب نے سوامی جی کی اپنی ذات میں ہندو دھرم کی رکھشا کرنے والے ایک بہادر سپاہی (کھشتری) کی طاقت کا اندازہ تو لگا لیا تھا اب اُنھیں یہ دکھانا تھا کہ ایک سچے برہمن کی رُوحانی قوت کیا چیز ہے اُن کے گُروبھائی ایک قدیم برہمن خاندان کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے جن میں براہمنوں کی ساری خوبیاں موجود تھیں اور جنھوں نے نہایت سختی سے ایک برہمن کے کردار کو نبھایا تھا۔

لندن میں تھوڑا عرصہ رُکنے کے بعد سوامی جی امریکہ گئے، اور وہاں تقریبًا ایک سال رہے وہاں سوامی ابھیدانند ویدانت کا کام نہایت انہماک سے کر رہے تھے سوامی تُوریانند جی نے نیویارک کے قریب ماونٹ کلیر[۱] میں اپنا کام شروع کر دیا اور سوامی جی خود کیلیفورنیا[۲] گئے جہاں سان فرانسسکو، اوک لینڈ اور المیدا[۳] کے شہروں میں ویدانت

---

۱ MOUNT CLAIR ۲ CALIFORNIA, SANFRANCISCO, OAKLAND
۳ ALMEDA

کے مرکز قائم کیئے۔" سانتا کلارا[1] کے علاقے میں سوامی جی کی خدمت میں ایکسو ساٹھ ایکڑ زمین پیش کی گئی، یہاں سوامی تورُیانند نے ایک آشرم قائم کیا جس میں چیدہ چیدہ سنیاس کے خواہش مند شاگردوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا۔

اِن چیزوں کو دیکھ کر سوامی جی بظاہر تو بہت خُوش خُوش نظر آتے تھے لیکن اندر ہی اندر اُن کا من کسی اور طرف لگتا جا رہا تھا۔ یہ بات چھپائے نہ چھُپتی تھی کہ نِراکار برہم کی خواہش اُن پر غالب آرہی تھی، ایک خط میں خود لکھتے ہیں "میرے لئے دُعا کرو کہ میرا کام اب ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اور میری رُوح اب ماتا کے چرنوں میں بس جائے، زندگی کی جنگ کی ہار جیت اب بے معنی ہوتی جا رہی ہے، مَیں نے رختِ سفر[2] باندھ لیا ہے اب تو مُکتی دینے والے بھگوان کی انتظار میں بیٹھا ہوں، اب میں ایسے محسوس کرتا ہوں کہ میں پھر وہی نرن ہوں جو دکشینشور کے درخت کے نیچے بھگوان سری رامکرشن کے جاں بخش اُپدیش سُنا کرتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری حقیقی زندگی وہی تھی جو میں نے اُن کے چرنوں میں کاٹی باقی سب کارروائیاں دوسروں کی بھلائی کے کام وغیرہ ایک غیر ضروری اضافہ معلوم ہوتے ہیں، اُن کی آواز پھر میرے کانوں میں آنے لگی ہے جس کو سُن کر میری روح خوشی سے کانپ اٹھتی ہے۔ میرے قدموں کی سب زنجیریں ایک ایک کر کے ٹوٹ رہی ہیں، کام بے مزہ ہوتا جا رہا ہے، زندگی بے معنی سی ہو رہی ہے یہاں تک کہ محبت بھی مٹتی نظر آتی ہے اب تو گرودیو کی آواز ہے اور بس، وہ

---

[1] SANTA CLARA

[2] سفر کا سامان

کہہ رہے تھے" آؤ اب میرے پاس چلے آؤ" اور میں کہتا ہوں" میرے پیارے مالک میں آیا" زوان میرے سامنے ہے، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شانتی کا بے کنار سمندر میرے سامنے ہے جس پر کوئی چھوٹی سے چھوٹی لہر بھی نظر نہیں آتی"

جولائی ۱۹۰۰ء کے آخر میں سوامی جی پیرس روانہ ہوئے جہاں انہیں کانگریس آف ہسٹری آف ریلیجنز[1] میں شامل ہونے کے لئے مدعو[2] کیا گیا تھا، پیرس میں تین ہفتے رہنے کے بعد سوامی جی وی آنا، استنبول، ایتھنز[3] ہوتے ہوئے مصر روانہ ہو گئے، اِن دنوں سوامی جی زیادہ تر دھیان میں لگے رہتے تھے پیرس میں بہت دفعہ ایسا ہوا کہ اُن کا من اپنے گرد و نواح سے بے خبر رہا مصر پہنچے تو یہ حالت تھی کہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ زندگی کے کتاب کے آخری ورق اُلٹ رہے ہیں، سوامی جی اب فوراً ہندوستان واپس لوٹنا چاہتے تھے، وہاں اُن کے دوست مسٹر سیویر شورگباش ہو گئے تھے ابھی اس کی اطلاع نہیں آئی تھی لیکن سوامی جی کو جیسے اندر ہی اندر اس کا علم ہو چکا تھا وہ ہندوستان واپس جانے کے لئے بے تاب ہو گئے بس جہاز ملتے ہی دسمبر ۱۹۰۰ء میں اکیلے ہندوستان پہنچ گئے یہ دیکھ کر کہ اُن کے پیارے لیڈر امید سے پہلے واپس آ گئے ہیں اُن کے سنیاسی بھائیوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

سوامی جی نے اپنے دوسرے مغربی دَورے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ جب وہ پہلی بار

---

[1] CONGRESS OF HISTORY OF RELIGIONS

[2] دعوت دی گئی تھی۔ بُلایا گیا تھا

[3] VIENNA, CONSTANTINOPLE, ATHENS

وہاں گئے تو وہاں کی طاقت اور نظام نے اُن پر گہرا اثر کیا لیکن دوسری بار اُنہوں نے دیکھا کہ جمہوریت کے پردے میں حرص و ہوس کا بازار گرم ہے، اور ایک دوسرے سے سبقت لے[1] جانے کے لیے وحشیانہ جنگ و جہد جاری ہے، مغربی ترقی کی ظاہری چمک اب اُن کا دل نہ لبھا سکی اب کے اُنہوں نے دیکھا کہ طاقت کے دکھاوے کے پیچھے ایک تھکاوٹ نمودار ہے عیش و عشرت اور خوش حالی کی زندگی رنج و غم کا ایک پہلو لیے ہوئے ہے مسٹر نوید تا سے اِس کا ذکر کرتے ہوئے اُنہوں نے فرمایا "مغرب کی سوشل زندگی ایک ایسا قہقہہ ہے جس کے نیچے رونا دَبا ہے، یہ ہنسی آہ پر ختم ہوتی ہے، عیش و طرب[2] فقط سطح پر ہیں اِس زندگی کی گہرائیوں میں درد و کرب[3] ہے، برعکس اِس کے ہندوستان میں رنج و الم کی لہریں سطح پر ہیں لیکن گہرائیوں میں رُوحانیت کی بخشی ہوئی لاپرواہی اور خوشی ہے۔

آخری جھلک

بیلور مٹھ پہنچنے پر سوامی جی کو معلوم ہوا کہ جس بات کا اُن کو اندیشہ تھا وہ سچ تھی۔ اُن کے دوست اور عزیز شاگرد مسٹر سیویر ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو اس جہان کو خیرآباد[4] کہہ چکے تھے۔ وہ بیلور آرام کے لیے نہ رُکے بلکہ فوراً مایاوتی کے لیے روانہ ہو گئے جہاں وہ ۳ جنوری ۱۹۰۱ء کو پہنچے اور مسز سیویر سے ملے مسٹر سیویر کے کام کو سرانجام ہوا دیکھ کر انھیں بہت تسلی ہوئی، ہمالیہ کے خوبصورت برف پوش پہاڑوں میں آشرم کو دیکھ کر خوشی ہوئی لیکن وہ چودہ دن سے زیادہ نہ ٹھہر سکے کیونکہ دمہ کی

---

[1] آگے بڑھ جانا [2] خوشی [3] دُکھ [4] چھوڑ چکے تھے

بیماری نے اُن کا وہاں رہنا نا ممکن کر دیا۔ سُوامی جی ۲۴؍جنوری کو بیلور واپس پہنچ گئے اور اس کے بعد آخر وقت تک وہ زیادہ تر یہیں رہے بس دو دفعہ چند دنوں کے لئے باہر گئے پہلے تو اپنی ماتا کے ساتھ مشرقی بنگال اور آسام کے متبرک[1] مقاموں کی یاترا کرنے گئے اور اِسی دَوران میں ڈھاکہ اور شِیلانگ ہو آئے اور دُوسرے ۱۹۰۲ء کے شروع میں تھوڑے عرصہ کے لئے بنارس گئے، اُن کی صحت اب بالکل خراب ہو چکی تھی اور مشرقی بنگال اور آسام کے دورہ سے تو اور بھی بگڑ گئی۔ سنیاسیوں کو اب تشویش ہونے لگی۔ اُنہوں نے سوامی جی سے پُورا پُورا آرام کرنے کی التجا کی لیکن سوامی جی حسبِ معمول سب سے ملتے رہے جو ہندوستان کے کونے کونے سے اُن کے درشنوں کو بیلور مٹھ آرہے تھے۔

اُن کی اپنی زندگی بیلور آکر سوسائیٹی کے تکلّفات سے بالکل آزاد ہو گئی وہ سچّے معنوں میں ایک آزاد سنیاسی کی طرح رہنے لگے جو طبیعت میں آتا کرتے، چاہا تو ننگے پاؤں گھومنے لگتے یا لنگوٹ باندھے یا بس گیروا لپیٹے پھرنے لگتے صحت کی خرابی کے باوجود ایک نوعُمر لڑکے کی طرح خُوش وخُرم رہتے تھے۔ کبھی باغ میں دلچسپی لینے لگتے تو کبھی کچن میں اور کبھی پالتو جانوروں سے کھیلتے جن میں "باگا" نام کا کُتّا، "ہنسی" نام کی بکری اور اس کا بچّہ "مترو" شامِل تھے اِن کے علاوہ ایک ہرن اور بگلا بھی اُن کے پیار کے حصّہ دار تھے اور آشرم کی گائیں تو خاص توجّہ کی مستحق[2] تھیں ہی، ایسے وقت میں مشہورِ عالم وِویکانند کی شخصیت بالکل چھپ جاتی تھی

---

[1] تیرتھ [2] حق دار۔ یوگیہ

کبھی کبھی وہ مٹھ کے کام میں بھی ہاتھ بٹا دیتے، ضروری ہدایات دیتے اور مشکلات کا حل تجویز کرتے، مگر آخری دم تک ایک معمول پر وہ سختی سے پابند رہے، تعلیم و تدریس کا کام برابر جاری رکھا، تقریباً ہر روز ویدانت پڑھاتے اور نووارد آشرم نواسیوں کو دھیان کے طریقے سے آگاہ کرتے مٹھ میں کام کرنے والے لوگوں کو بے غرض کام کی تلقین کرتے اور ہر طرح سے اُن کی خود اعتمادی کو تقویت پہنچاتے، ساتھ ہی ساتھ "ڈسپلن" پر زور دیتے تاکہ ہر کام حسبِ معمول ہوتا رہے، صفائی کا خاص خیال رکھتے تھے اور آشرم کے قوانین کی پابندی سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتے تھے۔ اُن کی تیز نگاہ سے ذرا سی غفلت بھی پوشیدہ نہ رہتی تھی۔

وہ آشرم میں جہاں بھی جاتے تبرک اور شانتی کا ماحول ساتھ لیئے ہوتے، اُن کی محبت میں ایک زبردست مقناطیسی کشش تھی سب آشرم نواسی خود بخود اُن کی طرف کھچے چلے آتے تھے، ہر لفظ جو اِس مُرشدِ کامل[1] کی زبان سے نکلتا، زندگی اور قوت کا ایک پیغام لیئے ہوتا تھا جو سُننے والوں کے دِلوں میں گھر کر جاتا، ایک دفعہ کچھ سنیاسیوں اور برہمچاریوں کو پُوجا کے لیئے مندر جاتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگے "برہم کو ڈھونڈنے کہاں چلے ہو، وہ تو ہر شئے میں موجود ہے۔ یہاں دیکھو برہم ساکھشات موجود ہے، برہم تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے ایسے جیسے کسی کی ہتھیلی پر پھل رکھا ہو آؤ اِس برہم کی پُوجا کرو اور باقی چیزوں کا خیال چھوڑ دو"۔ سوامی جی نے یہ الفاظ کچھ ایسے جوش سے کہے کہ سب کے سب وہیں رُک گئے اور دس پندرہ منٹ تک وہاں

---

[1] گرودیو۔

ایک عجیب قسم کی شانتی چھائی رہی جس میں ڈوبے سب کھڑے تھے اس واقعہ کی یاد کسی کے دل سے محو نہ ہو سکی' سب کے سب آشرم نواسی حیران تھے کہ کس طرح اپنی رُوحانی طاقت سے اُن کے پیارے گُرو اُن سب کو ایک ساتھ معرفت کے بلند مقام تک لے گئے'۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ۱۸۹۷ء کے آخری مہینوں میں پیش آیا۔ مٹھ میں کچھ سنھتال مزدور کام کر رہے تھے ایک دن سوامی جی نے اُن سب کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد اُن کو مخاطب کر کے کہنے لگے "تم سب نارائین کا رُوپ ہو آج میں نے ساکھشات نارائین کو کھانا کھلایا ہے" پھر اپنے شاگردوں سے کہنے لگے "دیکھتے ہو یہ اَن پڑھ لوگ کتنے صاف دل ہیں کیا تم میں ہمت ہے کہ اِن کی مصیبتوں کو کچھ نہ کچھ کم کر لو گے' اگر نہیں تو تمہارا گیروے کپڑے پہن کر سنیاسی کہلانا بے سُود ہے، ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم ایک لُقمہ بھی اپنے مُنہ تک لے جائیں جب تک کہ ہمارے دیش بھائی بھُوکے ہیں۔ اگر ہم نے تعلیم پائی ہے اور شاستروں کا مُطالعہ کیا ہے یا ذاتی مُکتی کے لئے سخت ریاضت کی ہے تو کوئی قابلِ فخر بات نہیں۔ اگر اِس سے کِسی کو فائدہ کچھ نہیں مِلا اگر ہماری تعلیم سچی ہے اگر ہمارا مطالعہ صحیح ہے اگر ہماری ریاضت میں حقیقی رُوحانیت ہے تو ہمارا فرض ہوتا ہے کہ ہم گاؤں گاؤں جا کر اپنی زندگی غریبوں کی سیوا میں لگائیں۔ امیروں کو اُن کے فرائض سے آگاہ کریں اور اپنی اخلاقی اور رُوحانی قوت اور سادہ روی سے ایک اعلیٰ مثال قائم کریں اور جہاں تک ہو سکے فلاحِ عام[1] کے وسائل مہیا کریں

[1] جنتا کی بھلائی

افسوس ہے کہ ہمارے مُلک میں گرے ہوئے مُصیبت زدہ غریبوں کا کوئی بھی خیال[1] نہیں کرتا۔ قوم کے وہ رُکن کِس میرسی[2] کی حالت میں ہیں جن کی محنت سے اناج پیدا ہوتا ہے جو ایک دن بھی کام بند کر دیں تو شہری زندگی میں مُصیبت کا ایک طوفان آجائے کون ہے جو اُن کے غم اور خوشی میں شریک ہونے کے لئے تیار ہے جب تک اُن کی حالت کو بہتر نہیں بنایا جاتا بھارت ماتا کی بیداری کی اُمید مُشکل ہے۔ مجھے اِن سب میں ایک ہی برہمہ' ایک ہی شکتی نظر آتی ہے وہی شکتی جو مُجھ میں ہے فرق صرف اِتنا ہے کہ اُن میں اِس کا اِظہار مقابلتاً کم ہے' ہمارا کام اِس شکتی کو پورے طور پر ظاہر کرنا ہے۔ یاد رکھو کہ دُنیا کی تاریخ میں کوئی قوم اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اُس کی قوتیں ہر شخص کی رگ و پے میں نہ بسی ہوں۔ یہ یقینی اَمر ہے کہ اگر جسم کا کوئی حِصّہ مارا جائے تو وہ جسم کوئی بڑا کام کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے اگر ہماری قوم کا ایک بہت بڑا حصّہ بے حس ہو رہے گا تو ہماری قوم ترقی نہیں کر سکتی میری ریاضت[3] نے اگر مجھے کچھ سِکھایا ہے تو وہ یہ کہ سب سے بڑی حقیقت بھگوان کو ہر شئے میں حاضر و ناظر جاننا ہے' ہر جاندار اس کی شکتی کا ایک رنگ ہے اس کے علاوہ اور کوئی خُدا نہیں جس کی تلاش کرنا ہے وہی شخص پرماتما کی پُوجا کرتا ہے جو دوسروں کی سیوا میں اپنا جیون بِتا دیتا ہے"

اِس طرح دن گھڑیوں کی طرح گزرتے گئے سوامی جی خواہ کسی بھی حالت میں ہوں

---

[1] جن کو کوئی نہیں پوچھتا۔

[2] تپسیہ۔

اپنے گُرو بھائیوں اور شاگردوں کے لیئے اُن کی ہستی ہمیشہ باعثِ ابنساط[1] و سرُور تھی وہ کِسی بات پر غصّہ ہوں یا ناراضگی کا اظہار کریں ۔ ویدانت کا سبق دیں یا دھیان کی باتیں بتائیں ہنسی مذاق کریں یا سنجیدگی سے مطالعہ اپنے گُرو بھائیوں کے لیئے وہ ہمیشہ "نرن" رہے اور اپنے شاگردوں کے لیئے کامل گُرو، اُدھر سوامی جی مٹھ میں ریاضت اور دھیان دیکھ کر بہت خوش ہوتے جب کبھی اُن کی صحت نے اجازت دی وہ سب کے ساتھ مندر میں صبح کے دھیان میں شامل ہوتے جس سے دوسروں کو دھیان میں بہت مدد ملتی ۔ اس کے علاوہ اپنے ملنے والوں کے لئے ہمیشہ وقت نکالا کرتے تھے اگر کبھی اُن کی صحت کے خیال سے کِسی نے اُن کے درشن کے متلاشی لوگوں کو اُن تک آنے آنے سے روکا اور اُن کو پتہ لگ تو کہتے تھے "دیکھو ایسا مت کیا کرو' بھگوان سری رامکرشن اپنے آخری دم تک لوگوں کو اُپدیش دیتے رہے میں بھی اُن ہی کے قدموں پر چلوں گا اگر یہ جِسم ٹوٹ بھی جائے تو بھی مجھے رتی بھر پرواہ نہیں آخر اسے ایک دن جانا ہے ۔ تم شاید اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ مجھے سچّے بھگتوں سے مِل کر کِتنی خُوشی ہوتی ہے اپنے بھائیوں کی آتما کو بیدار کرنے کے لیئے میں بار بار جنم لے کر خُوشی سے بار بار مرنا قبول کروں گا" اس کے برعکس بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ باتیں کرتے کرتے اُن کے چہرے پر غنودگی[2] سی چھا جاتی جیسے دُور دراز کی دُنیا میں کوئی خواب دیکھ رہے ہوں ایسے موقع پر سب لوگ سمجھ جاتے کہ سوامی جی خلوت[3] چاہتے ہیں اور وہ آہستہ آہستہ اُٹھ کر چلے جاتے ۔

---

[1] خُوشی کا باعث [2] نیند [3] ایکانت

مُکتی

سوامی جی کی زندگی کے آخری دو مہینوں میں کئی ایسے واقعات ہوئے جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ دُنیا کو خیرباد کہنے والے تھے۔ حالانکہ کئی دفعہ آشرم نواسی اِن واقعات کے صحیح مفہوم[1] کو سمجھنے سے قاصِر[2] رہے، جوں جوں دن گزرتے گئے۔ سوامی جی نے مٹھ کے کام میں دلچسپی لینا کم کر دی وہ خود کہتے تھے۔ بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ شاگردوں کے پاس زیادہ رہ کر مُرشدوں نے اُن کی قوتوں کو بیدار ہونے سے روک دیا، جب شاگردوں کو تربیت مِل جائے تو ضروری ہے کہ گُرو اُن کو چھوڑ کر الگ ہو جائے۔ کیونکہ جب تک گُرو اُن کے پاس ہو گا اُن میں خود اعتمادی کا مادّہ پیدا نہیں ہو گا" اِس طرح سوامی جی نے آہستہ آہستہ سب کاروبار سے تعلق منقطع[3] کر لیا اور زیادہ وقت دھیان میں بتانے لگے اُن کے گُرو بھائی اور چیلے اُن کی ریاضت اور دھیان کی سختیوں کو دیکھ دیکھ کر سہم جاتے تھے۔ اُنھیں اپنے گُرو سری رامکرشن کی بات یاد آجاتی تھی کہ "نرن" اپنا کام پُورا کرنے پر نروکلپ سمادھی لگا جائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سوامی جی اپنے جسم کو چھوڑنے کے لئے ایک خاص دن اور خاص وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر وہ دن آپہنچا، ۴ رجولائی ۱۹۰۲ء شکروار کی صبح کو وہ مندر گئے۔ مندر کے دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے تین گھنٹے تک دھیان میں لگے رہے

---

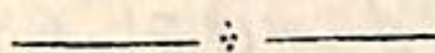
[1] مطلب [2] نہ سمجھ سکے [3] توڑ دیا۔

اس کے بعد ماتا کے چرنوں میں ایک میٹھا بھجن ارپن کیا جس کو سُن کر سب آشرم نواسی مست ہو گئے۔ بہت دیر تک مندر سے بھجن کی میٹھی میٹھی لہریں آتی رہیں آخر سوامی جی سیڑھیوں سے اُترے، اور آشرم کے میدان میں گھومنے لگے، اُن کا دھیان اب بھی اپنے میں لگا ہوا تھا۔ کسی کو اُن کے پاس جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ ایک گُرو بھائی پاس سے گزرا اُس نے سُنا کہ سوامی جی اپنے آپ سے کہہ رہے تھے "اگر آج ایک اور وویکانند ہوتا تو وہ وویکانند کے کام کو سمجھ سکتا مگر وقت آنے پر کئی وویکانند پیدا ہوں گے" یہ سُن کر وہ سنیاسی سہم سا گیا، کیوں کہ ایسے الفاظ سوامی جی کی زبان سے آج تک نہیں نکلے تھے۔ دوپہر کا کھانا سوامی جی نے خلاف معمول سب کے ساتھ مِل کر کھایا، کھانا کھانے کے بعد تین گھنٹے تک سنسکرت پڑھاتے رہے، شام کو اپنے ایک گُرو بھائی کے ساتھ تھوڑی سی سیر کی اور خواہش ظاہر کی مٹھ میں ایک ویدک کالج قایم کیا جائے۔ شام کی پُوجا کے وقت وہ اپنے کمرے میں چلے گئے اور ایک گھنٹہ تک دھیان میں لگے رہے، اس کے بعد بستر پر لیٹ گئے۔ اُن کی مالا اُن کے ہاتھ میں تھی، ایک گھنٹہ کے بعد اُنھوں نے کروٹ لی اور گہرا سانس لیا پھر ایک دُوسرا گہرا سانس لیا اور اُس کے ساتھ ہی سب کچھ شانت ہو گیا۔ سوامی جی ایک تھکے ہوئے بچّے کی طرح جگت ماتا کی گود میں ہمیشہ کے لئے سو گئے۔

سوامی جی کی عُمر اس وقت اُنتالیس سال اور کچھ مہینے تھی وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں چالیس سال تک نہ جی پاؤں گا۔ اُن کی یہ بات پُوری ہوئی۔ لیکن حقیقت میں وہ زندہ جاوید ہیں۔ جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں اُن

کے شاگردوں اور بھگتوں کی تعداد مشرق و مغرب میں بڑھتی جاتی ہے۔ اُن کا اثر پھیلتا جاتا ہے اور اسطرح وہ آج بھی چُپکے چُپکے ہزاروں انسانوں کی زندگی کو رُوحانیت کے قالب میں ڈھال رہے ہیں۔ اُن کا پیغام ایک شعلہ بن کر دُنیا بھر میں روشنی پھیلا رہا ہے اور اپنے دیش میں تو اُن کی قوتِ خیال براہ راست یا اُن کے بھگتوں کی وساطت[1] سے ہزارہا دیش سیوا کے کاموں کی محرک[2] ہو رہی ہے۔ مرنے سے پہلے اُنھوں نے کہا تھا "شاید میں اسی میں بھلائی سمجھوں کہ اِس جسم کو جلد چھوڑ دوں۔ اسے پُرانے کپڑے کی طرح اُتار کر پھینک دوں لیکن میں اپنا کام کرنا نہیں چھوڑوں گا جب تک دُنیا اس بات کو نہ سمجھ پائے گی کہ تمام کائنات بھگوان ہی کا رُوپ ہے۔ میں ہر مُلک اور ہر قوم کے لوگوں کے دلوں میں معرفت کا نُور بکھیرتا رہوں گا اور اُنھیں رُوحانیت کی طرف مائل کرتا رہوں گا"

وِویکانند آج ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن وہ اب بھی اپنا کام کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔



---

[1] معرفت [2] چلا رہی ہے

سوامی جی کے سُنہری بچن[1]

''تم بھگوان کا رُوپ ہو، تم دیوتا ہو، تمھیں گناہگار کون کہتا ہے، اِنسان کو گناہگار کہنا ہی گناہ ہے، یہ اِنسانیت کی توہین ہے، اُٹھو میرے شیرو اور اس خواب سے جاگو کہ تم بکریاں ہو، جان لو کہ تم لازوال رُوح ہو، تمھارے لیے موت کوئی چیز نہیں، تم ہمیشہ آزاد ہو، متبرک ہو، زندۂ جاوید ہو، تم خاک نہیں کہ خاک میں مل جاؤ گے۔ یہ جسم خاکی سہی پر تم خاکی نہیں ہو۔ تم یہ جسم نہیں ہو، یہ تمہارا ہے تم اس کے نہیں ہو۔



مانا کہ تمہیں اپنے سارے دیوی دیوتاؤں پر وشواس ہے مانا کہ تمہیں باہر سے آئے لوگوں کے خُداؤں پر بھی یقین ہے، لیکن یہ تمہارے کسی کام نہیں آئے گا۔ جب تک تم میں خود اعتمادی پیدا نہیں ہوگی، تمھارے دیوی دیوتا۔ تمھارے خُدا تمہاری مدد نہیں کرینگے، وہ سب تم سے دُور ہی رہیں گے، اپنے پر اعتبار کرو اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر دُنیا کو للکارو! اُسے چیلنج دو اور اپنے قدموں میں جُھک جانے پر مجبور کردو۔

---

[1] اقوال زریں

دُنیا کی تاریخ چند بڑے بڑے لوگوں کی تاریخ ہے جن کو اپنے اوپر پُورا پُورا یقین تھا۔ خود اعتمادی اُس رُوحانیت کو جو ہر شخص میں موجود ہے، جگاتی ہے ناکامی تب ہوتی ہے جب تم اپنی اندرونی طاقت کو بیدار نہیں کر سکتے جب کسی شخص یا قوم کا اپنے سے اعتبار جاتا رہا تو موت اس شخص یا قوم کو نگل گئی پہلے اپنے پر یقین لاؤ اور پھر خُدا پر جسے اپنے اوپر یقین نہیں وہی درحقیقت ناستِک ہے، سب پُرانے مذہب کہتے آئے ہیں کہ جو خُدا پر یقین نہیں لاتا وہ ناستِک ہے جس نئے مذہب کا میں پرچار کرتا ہوں اُس میں اپنے پر اعتماد نہ رکھنے والا ہی ناستِک ہے۔

ایشیا کی آواز مذہب، اخلاق اور رُوحانیت کی آواز ہے، یُورپ کی آواز اقتصادیات اور سیاست کی آواز ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سماجی یا سیاسی ترقی ضروری نہیں بلکہ میرا مطلب فقط یہ ہے کہ ہندوستان میں سیاست اور سماجی نظام کو رُوحانیت سے کم درجہ حاصل ہے اور ہونا چاہیئے"

ہندوستان ایک سوئے ہوئے دیو کی طرح جاگ رہا ہے کون ہے جو اس کو آگے بڑھنے سے روک سکے گا اس کی بے پایاں شکتی اب جاگ چکی ہے۔ کسی کے روکے نہیں رُکیگی۔

اگر تم بس اپنی ہی مُکتی چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ تمہاری یہ خود غرضی آخر تمہیں دوزخ میں لے جائے گی۔ تمہارا کام ہے دُوسروں کی بھلائی کرنا۔ دُوسروں کی مُکتی کا سامان مہیا کرنا، اگر دوسروں کی خاطر تمہیں آگ میں کُودنا پڑے تو یہ اس سے

ہزار درجے بہتر ہے کہ اپنی مُکتی کی تلاش میں تم بہشت پہنچ جاؤ۔

جب تک ہندوستان کے لاکھوں غریب ہر سال مرجاتے ہیں، جب تک ہمارے کروڑوں بھائی ساری عمر تعلیم سے محروم رہتے ہیں۔ میں ہر تعلیم یافتہ اور متمول ہندوستانی کو مُلک کا غدّار سمجھوں گا جو اِن غریبوں کے پیسے سے تعلیم پاتا ہے اُن ہی کا خون چُوستا ہے اور پھر اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ اگر یہ مُلک سے غدّاری نہیں تو اور کیا ہے جب تک میرے مُلک میں انسان تو انسان ایک کتّا تک بھی بھُوکا ہے میرا مذہب اس کو خوراک پہنچانا ہوگا اور بس۔

تم بھگوان کو ڈھونڈنے کہاں جاؤ گے؟ کیا مصیبت زدہ غریب اور اپاہج بھگوان کا رُوپ نہیں ہیں میری سُنو تو پہلے اِن دیوتوں کی پُوجا کرو، اِنہیں کا خیال کرو، انہیں کے لئے کام کرو، اِنہیں کے لئے ہمیشہ دُعا مانگو، اگر بھگوان نے چاہا تو تمہارا سب کام بھی سپھل ہوگا۔

مذہب کا تعلق رُوحانیت سے ہے سائنس کا مادّیات سے اگر انسانی سماج سے مذہب کو مٹا دیا جائے تو حیوانیت کے سِوا کچھ نہیں رہ جائے گا، انسان کی زندگی کا مقصد بس ہوس کاری[۱] ہی نہیں، اُس کی منزلِ حیات[۲] گیان ہے۔ انسان کی زندگی کا آخری مقصد وصلِ الٰہی[۳] ہے سب مذہب اس کا پرچار کرتے ہیں اور اسی منزل تک

---

۱ کام ۲ زندگی کی منزل ۳ پربھو ملن۔

جانے کی راہ دکھاتے ہیں اور وصلِ الٰہی کیا ہے؟ اپنی قادرِ[۱] مطلق خودی کو پالینا۔

مذہب اور رُوحانیت انسان کو زندۂ جاوید بنا دیتے ہیں، انسان جو کچھ ہے مذہب کی بدولت ہے۔ مذہب ہی انسان کو حیوانیت سے بلند کرکے خُدائی کے درجے تک لے جاتا ہے یہی مذہب کی حقیقت ہے۔ ہر مذہب کا معیار ایک ہی ہے اور وہ ہے اِنسان کو دائرۂ جبر[۲] سے نکال کر اُس کے دُکھ درد کو مٹانا اور اُس کی یزدانی[۳] قوت بیدار کرکے اُسے نشاط[۴] و سرور بخشنا

میرا دعوےٰ ہے کہ ہندو سوسائٹی کی سماجی ترقی کے لیئے مذہب کو مٹانا ضروری نہیں ہے، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ آج ہندو سماج کی جو حالت ہے وہ اِس کے مذہب کی وجہ سے نہیں، مذہب کو غلط سمجھنے اور اس پر غلط طور پر عمل کرنے سے ہے۔

مجھے اُن شیر رُوحوں کی تلاش ہے جنہوں نے اپنے تمام بندھن کاٹ ڈالے ہوں جن کا تعلق قادرِ مطلق سے قائم ہو چکا ہو جو برہم میں گھُل چکی ہوں جن کو روپیہ کا لالچ نہیں، جنہیں شہرت کی تلاش نہیں اور حکمرانی کی خواہش نہیں اگر ایسے دس بارہ آدمی بھی نکل آئیں تو دُنیا میں انقلاب آجائے۔

میرا مقصد کیا ہے؟ یہی کہ ہر انسان کو اُس کی رُوحانیت سے آگاہ کردوں

---

[۱] سردشکیتمان [۲] مجبوری [۳] آتم شکتی [۴] آنند۔

اور اُسے بتا دوں کہ اُس کی بے پایاں[1] طاقت کو کیونکر بیدار کیا جا سکتا ہے۔

جو لوگ اپنی زندگی کو بھگوان کے چرنوں میں ارپن کر دیتے ہیں وہ اِس دُنیا کی بہبودی اور بھلائی کے لیے اُن لوگوں سے کہیں زیادہ مفید کام کرتے ہیں جنہیں خدمتِ خلق کا دعوٰے ہے۔

صرورت اِس بات کی ہے کہ کوئی ہمیں سمجھا دے کہ خُدا ہے اور اُسے ہم اپنی زندگی میں ہی پا سکتے ہیں۔

اگر بھگوان کی دیا نہ ہو تو سمندر سوکھ جائیں جنگل ویران ہو جائیں۔ خود لکھشمی دیوی کے ہاں روٹی کا ایک ٹکڑا تک نہ ملے، اور اگر بھگوان کی مرضی ہو تو صحراؤں میں ندیاں پھوٹ پڑیں، اور بھکاری روپیوں میں کھیلنے لگیں۔ دُنیا میں جو کچھ ہوتا ہے بھگوان کی مرضی سے ہوتا ہے، ایک ننھی سی چڑیا تک کی زندگی ہر حرکت بھگوان کے اشارے سے ہوتی ہے۔ اور یہ فقط کہنے سُننے کی باتیں ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

یہ زندگی چند روزہ ہے اس دُنیا کی بڑائی آخر ایک دِن ختم ہو جائے گی، حقیقی زندگی اُن کی ہے جو دوسروں کے لیے زندہ ہیں، دوسرے سب لوگ جیتے جی مر چکے ہیں۔

پیغمبر اور سنت ہمارے ہی جیسے انسان تھے، فرق صرف اِتنا ہے کہ وہ اپنی رُوحانیت سے واقف تھے ہم سب بھی اُن کی طرح رُوحانیت سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ اگر ایک آدمی کسی کام کو کر سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ دوسرا بھی اس کام میں کامیاب ہو سکتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہ صرف ممکن ہی نہیں ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو پہچانے، مذہب اِسی کا نام ہے ؛

---

[1] اتھاہ شکتی

انسان کا سچا فرض بس یہی ہے کہ بے تعلق[1] ہو کر کام کرے کام وہی ہے جو آزادی سے کیا جائے کسی غرض سے نہیں اور اس کا واحد[2] طریقہ یہ ہے کہ ہر کام بھگوان کے نام پر کیا جائے اور اُس کا پھل ان ہی کے ارپن کر دیا جائے آخر سب ذمہ داریاں اور فرائض اسی کے ہیں کیونکہ یہ جہاں اسی کا ہے۔

کوئی کام ایسا نہیں جسے بھگوان سے واسطہ نہ ہو۔ ہر کام ایک قسم کی پوجا ہے، اور اسی سپرٹ سے کرنا چاہیئے زندگی حقیقت میں اُسی خودی کا اظہار ہے جس کو دُنیا کی ہر شئے نے دبا رکھا ہے۔ جوں جوں عمر گزرتی جاتی ہے، میں چھوٹی چھوٹی باتوں میں حقیقی بزرگی کی تلاش کرتا ہوں بڑے بڑے موقعوں پر تو عموماً ہر شخص بڑی بڑی باتیں کرے گا، سٹیج پر آکر عوام کا ایک مجمع بھی بڑی بہادری دکھانے کی کوشِش کرے گا کیونکہ دوسروں کی آنکھیں اُن پر لگی ہوئی ہیں۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ پسِ پردہ[3] کون دیانتداری اور سچی بہادری دکھا سکتا ہے، چپکے چپکے صدق[4] دل سے اپنے فرائض کو پُوری طرح نبھانا اصل بزرگی ہے۔

کون ہے جسے پرماتما کو پانے کی سچی خواہش ہے، ہر گھڑی کوئی نہ کوئی نئی خواہش ہمارے سر میں جنم لیتی ہے اور جب تک یہ خواہشات پُوری ہوتی رہتی ہیں، ہمیں پرماتما کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، ہاں اگر ہم پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑے، ہماری کوئی زبردست خواہش پُوری نہ ہو سکے ہمیں زندگی میں مایوسی

---

[1] نشکام [2] بس ایک ہی [3] پردے کے پیچھے [4] سچے دل سے۔

سے پالا پڑے تو ہمیں اپنے سے بڑی کسی ہستی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اُس وقت ہمیں پرماتما کا خیال آتا ہے ۔

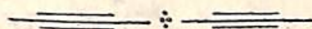
بھگوان سے ڈرنے کے کیا معنی ؟ بھگوان سے بھیک مانگنے کا کیا مطلب ؟ بھگوان کو پانا ہمارا حق ہے، اور ہمیں اپنے حق کا مطالبہ کرنا ہے، ماتا کے سچے بھگت شیروں کی طرح دلیر اور بے خوف ہوتے ہیں اگر تمام دُنیا اُن کی آنکھوں کے سامنے مٹ جائے تو بھی انھیں کسی قسم کا ڈر نہیں، ماتا کے ایسے لال بنو، اور اُسے مجبور کر دو کہ تمہاری بات سُنے، ماتا کے آگے گڑگڑانا کیا؟ تم اُس کے بچے ہو، اپنا حق مانگو، یاد رہے کہ وہ قادرِ مطلق ہے جو بے جان خاک سے شیر پیدا کر سکتی ہے اور تم تو ذی حس[1] اِنسان ہو، ماتا کے دُلارے ہو تمہیں کس بات کا ڈر ہے ؟

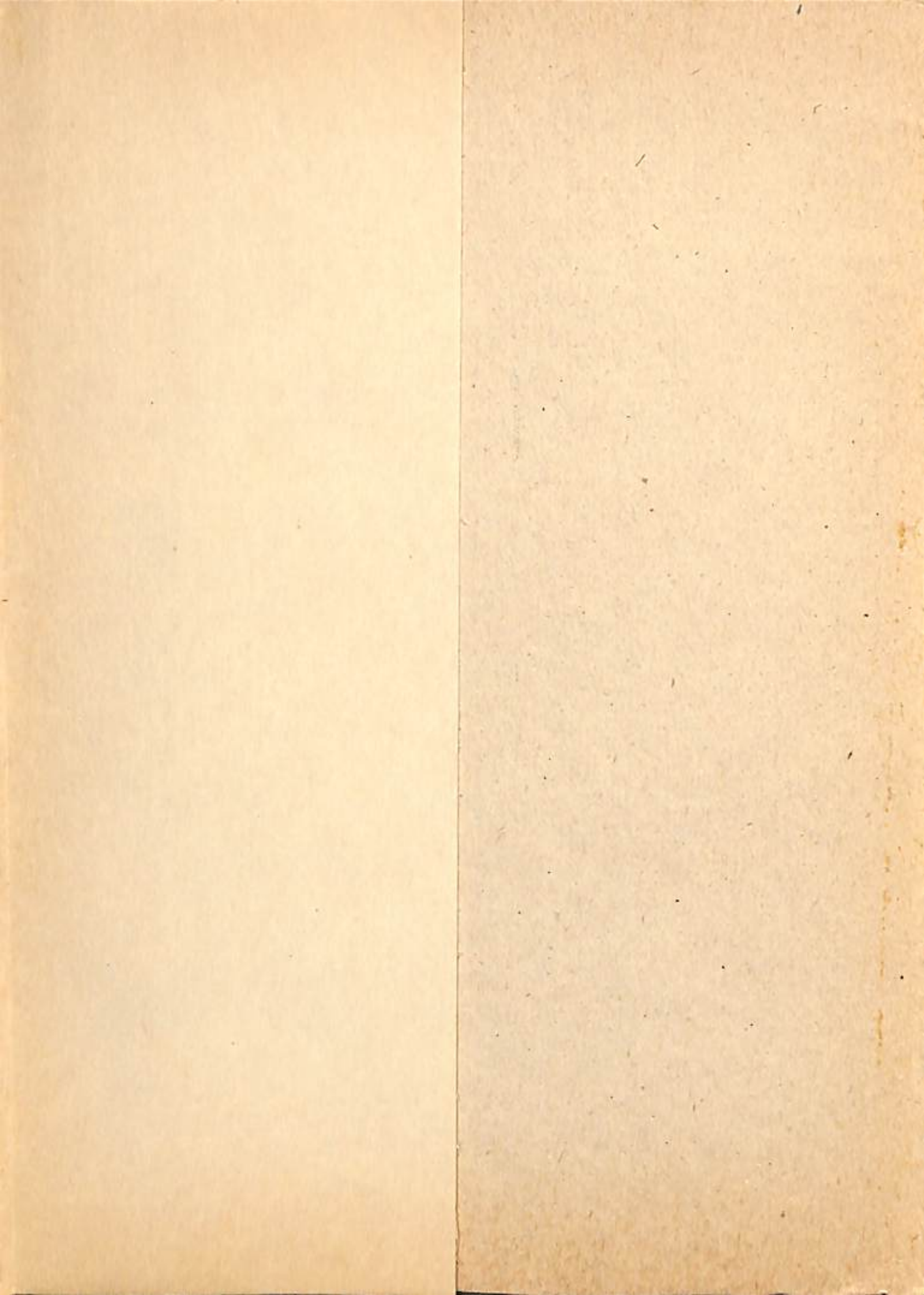
ہر رُوح درحقیقت یزدانی ہے ۔ اِنسان کی زندگی کا مقصد بیرونی اور اندرونی طاقتوں کو قابو میں لا کر اِس کی رُوحانیت کو ظہور[2] پذیر کرتا ہے، یہ ہر اِنسان کی طبیعت کے رُجحان پر منحصر ہے کہ وہ اِس مقصد کو کیسے حاصل کرتا ہے بے تعلق[3] اور بے خوف[4] ہو کر کام کرتے ہوئے صدقِ دل سے پُوجا کر کے یا یوگ کے طریقوں سے یا بیک وقت اِن سب سے، یہی حقیقی مذہب ہے، نظریے رسم و رواج، شاستر اور مقدس کتابیں اور مندر وغیرہ تو بہت حد تک غیر ضروری ہیں ۔

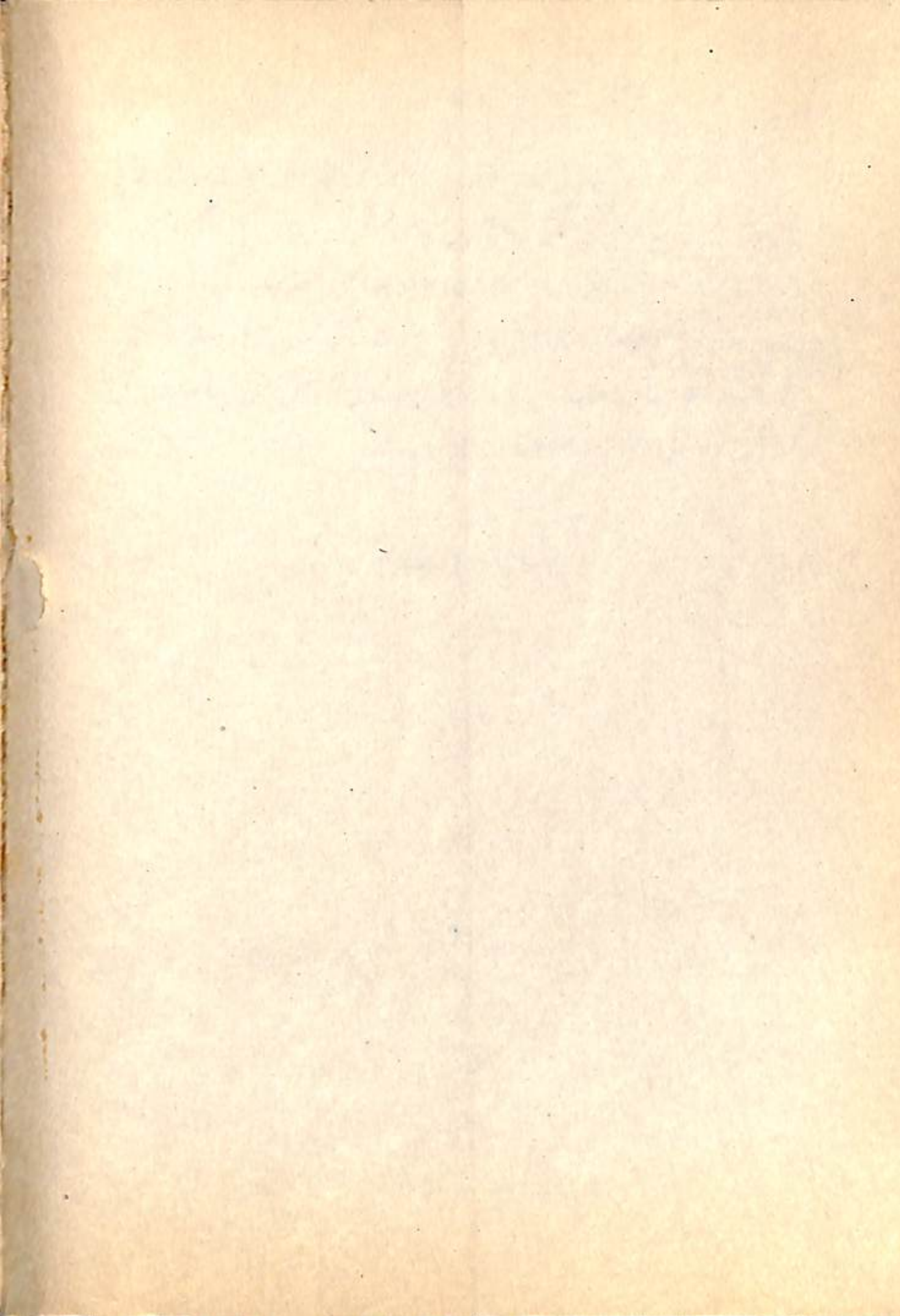
---

[1] جیتے جاگتے ، بُدھی مان [2] پرکاش [3] نشکام [4] نِربھے ۔

ہر رُوح ایک ستارہ ہے، یہ سب ستارے اِس لازوال اور بے پایاں آسمان میں جڑے ہوئے ہیں جسے ہم بھگوان کہتے ہیں، اِسی بھگوان میں ہر ایک کی اصل اور حقیقت بسی ہے اُسی میں ہر ایک کی انفرادیت بھی، مذہب کی ابتدا اُن ستاروں کی تلاش میں ہوئی جو ہمارے اُفق سے آگے نکل گئے اور مذہب کی انتہا وہاں ہے جہاں سب ستارے بھگوان رُوپی آسمان میں سما جاتے ہیں اور ہمیں خود اپنی حقیقت کا احساس ہو جاتا ہے








THE RAMAKRISHNA MISSION